سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۲۹ — شمارہ ۳

رجب المرجب۔شوال المکرم ۱۴۳۱ھ — جولائی۔ستمبر ۲۰۱۰ء

بیادگار:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر: حافظ عاطف وحید

نائب مدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
حافظ محمد زبیر۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔فون 3-35869501

ویب سائٹ : www.tanzeem.org

ای میل: publications@tanzeem.org

سالانہ زرتعاون: 200 روپے، فی شمارہ: 50 روپے

اس شمارے میں

حرفِ اوّل

عذابِ الٰہی سے نجات کا راستہ.....	حافظ محمد زبیر	3

مضامین قرآن

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	7

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح	افادات حافظ احمد یارؒ	17

حکمتِ نبویؐ

رسول اللہ ﷺ کی تین ہدایات	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	27

یادِ رفتگاں

ڈاکٹر اسرار احمدؒ — فعال شخصیت	ڈاکٹر قاری محمد طاہر	31

بحث و نظر

قرآن مجید کی سائنسی تفسیر	پروفیسر مستنصر میر	38

علومِ قرآنی

قرآن میں تشبیہ اور اس کی اقسام	حافظ محمد زبیر	49

علومِ قرآنی

تفسیر اشاری	حافظ طاہر اسلام عسکری	55

کتاب نما

تعارف وتبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	79

بیان القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

عذابِ الٰہی سے نجات کا رستہ: استغفار و اصلاحِ حال

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جب بھی کوئی کافر یا مسلمان قوم اپنے نبی و رسول پر مسلسل دعوت کے باوجود ایمان نہیں لاتی یا ایمان کے بعد شریعتِ اسلامیہ کے تقاضوں سے عہدہ برآ نہیں ہوتی تو ایسی قوم کو اللہ تعالیٰ اُخروی سزا سے پہلے اس دنیا میں ہی اپنی طرف سے وقفے وقفے سے عذاب کا مزہ چکھاتے رہتے ہیں تاکہ اس قوم میں اگر کوئی خیر کا پہلو ہے تو وہ اس عذابِ الٰہی کے نتیجے میں اللہ کی طرف رجوع کرے۔ آلِ فرعون کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا اور جب آلِ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مسلسل دعوت کے باوجود کفر کی روش کو ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات قسم کے عذاب وقفے وقفے سے بھیجے، جن میں سے پانچ کا تذکرہ قرآن نے ذیل کی آیت میں کیا ہے:

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ﴾ (الاعراف:۱۳۳)

''پس ہم نے ان پر طوفان، ٹڈی دل، کھیتی کے کیڑے، مینڈک اور خون کا عذاب بھیجا۔''

آلِ فرعون پر جب بھی کوئی عذاب نازل ہوتا تھا تو وہ حضرت موسیٰؑ کی طرف رجوع کرتے اور یہ کہتے کہ آپ کی دُعا سے اس بار اگر یہ عذاب ٹل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ اور جب وہ عذاب ختم کر دیا جاتا تھا تو وہ پھر کفر کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾﴾ (الاعراف)

''اور جب آلِ فرعون پر کوئی عذاب نازل ہوتا تھا تو وہ کہتے: اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کریں اس عہد کے سبب سے جو اُس نے آپ کو دے رکھا ہے (یعنی وہ آپ کی دعا قبول کرے گا اور آپ کی دعا کے نتیجے میں) اگر ہم سے یہ عذاب ٹل گیا تو ہم لازماً آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ لیکن جب ہم ایک خاص وقت تک کے لیے جس کو بہرحال انہیں پہنچنا تھا، ان پر سے عذاب ہٹا لیتے تو وہ فوراً اپنا وعدہ توڑ دیتے تھے۔''

ایمان لانے کے بعد شریعتِ اسلامیہ کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے کی بدعت بھی بہت پرانی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کی غلامی سے نجات دلاتے ہوئے مصر سے نکال کر فلسطین کی طرف لے چلے تو رستے میں لق و دق صحرا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم پر جس قدر نعمتوں کی بارش ہوئی اس کا ایک ہلکا

سا اندازہ پہلے سیپارے کے مضامین سے ہو جاتا ہے۔ لیکن ان نعمتوں کا شکر اللہ کی فرمانبرداری کی صورت میں ادا کرنے کی بجائے بنی اسرائیل نے ناشکری کی روش اپنائی' جس کی وجہ سے ان پر اللہ کی لعنت بھی ہوئی اور وہ پے در پے دنیاوی عذاب کے بھی مستحق ٹھہرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''اور یہود پر ذلّت و مسکنت تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی تھا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرتے تھے۔''

اسی طرح سردارانِ قریش نے جب اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت کو جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی قحط اور خشک سالی وغیرہ کے عذاب میں پکڑا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١١ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝١٢ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝١٣ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝١٤ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝١٥ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝١٦﴾ (الدخان)

''پس آپ اس دن کا انتظار کریں جبکہ آسمان ایک بڑا دھواں لے کر آئے گا اور لوگوں پر یہ دردناک عذاب چھا جائے گا۔ (اور وہ کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب کھول دے بلاشبہ ہم ایمان لانے والے ہیں۔ اب ان کو نصیحت کیسے فائدہ دے گی؟ حالانکہ (اس سے پہلے) ان کے پاس ایک واضح رسول آ چکے ہیں۔ پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا کہ یہ پڑھایا ہوا اور مجنون ہے۔ بلاشبہ ہم تم سے کچھ دیر کے لیے عذاب کو ٹالنے والے ہیں اور تم پھر (کفر کی طرف) لوٹ کر جانے والے ہو۔ (ڈرو اس دن سے کہ) جس دن ہم تم کو ایک بڑی پکڑ کے ذریعے پکڑیں گے اور بلاشبہ ہم (اپنے نافرمانوں) سے انتقام لینے والے ہیں۔''

تفسیرِ طبری میں منقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق کفارِ مکہ پر یہ عذاب اُس وقت آیا جب آپ ﷺ مدینہ ہجرت فرما چکے تھے۔ قرآن نے کئی ایک مقامات پر اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ بعض اوقات سمندری سفر کے دوران قریش مکہ کو سمندر کا طوفان گھیرے میں لے لیتا تو وہ اللہ کے سامنے گڑگڑاتے اور ہر قسم کے شرک سے تائب ہو جاتے' لیکن جب اللہ تعالیٰ ان سے عذاب کو ٹال دیتے اور وہ خشکی پر اُتر آتے تو ان کی اکثریت پھر اسی شرک میں مبتلا ہو جاتی۔

جب مکہ المکرمہ میں اہل ایمان کی ایک ایسی تعداد وجود میں آ گئی جو اپنے رب سے ہر لمحہ توبہ و استغفار کرنے والے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنین اور مستغفرین کی برکت سے ان کفارِ مکہ کے عذاب کو بھی

مؤخر کر دیا جو خود اللہ سے عذاب نازل ہونے کی دعا کرتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ (الانفال)

''اور جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے ہے اور حق ہے تو ہم پر (اس کے انکار کے بدلے میں) آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے پاس (اس سے بھی) دردناک عذاب لے آ۔ (اے نبی ﷺ!) اللہ تعالیٰ ان پر اس وقت تک عذاب نازل کرنے والا نہیں ہے جب تک آپ ان کے درمیان ہیں (یعنی مکہ المکرمہ میں ہیں) اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بھی ان پر عذاب نازل کرنے والا نہیں ہے جب تک ان میں استغفار کرنے والے لوگ موجود ہیں۔''

بلاشبہ اس وقت انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بحیثیت قوم شریعتِ اسلامیہ کو نافذ نہ کرنے کی وجہ سے ہم اللہ کے دربار میں ایک مجرم قوم بن چکے ہیں اور اس قوم پر اللہ کی طرف رجوع کے لیے بنی اسرائیل کی طرح پے در پے دنیاوی عذابوں کا سلسلہ جاری ہو چکا ہے۔ کشمیر کا زلزلہ، سوات کی نقل مکانی، وزیرستان پر امریکی حملے، کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، خانہ جنگی، خودکش دھماکوں میں معصوم عوام کی ہلاکتیں، بجلی اور معیشت کا بحران اور حالیہ سیلاب اللہ کی طرف سے عذاب کے کوڑے ہیں جو اس قوم کی نافرمانی، دین سے دوری، ظلم، کرپشن، بے حسی، بے رحمی، بے غیرتی اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کے عوض اس کی پیٹھ پر برسائے جا رہے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ﴾ (الانعام:٦٥)

''کہہ دیجیے! وہ (اللہ تعالیٰ) اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے کوئی عذاب نازل کرے یا تمہارے نیچے سے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھا دے۔''

واقعہ یہ ہے کہ عذاب کی ان تینوں صورتوں سے ہماری قوم گزر چکی ہے یا گزر رہی ہے۔ اس عذاب سے بچاؤ کا رستہ بھی خود قرآن ہی نے بتا دیا ہے اور وہ مستغفرین کی تعداد میں اضافہ ہے۔ جب مستغفرین کی موجودگی میں کفارِ مکہ کا عذاب ٹل سکتا ہے تو مسلمانوں کا کیوں نہیں؟ انہی اہل ایمان اور مستغفرین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر جنگ نہ ہونے دی تاکہ مسلمانوں کے ہاتھوں لاشعوری طور پر انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾﴾ (الفتح)

''اور اگر یہ (اہل ایمان مرد اور عورتیں مکہ المکرمہ سے) نکل جاتے تو ہم لازماً ان (اہلِ مکہ) میں سے ان لوگوں کو دردناک عذاب دیتے جنہوں نے کفر کیا ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں استغفار اور دعا کی کس قدر اہمیت ہے۔ کیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اللہ کی جناب میں استغفار کریں اور سیلاب' باہمی خانہ جنگی اور ٹارگٹ کلنگ جیسے عذاب سے نجات حاصل کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿١٦﴾﴾ (الحدید)

''کیا اب بھی اہل ایمان کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور جو حق بات میں سے نازل ہوا ہے' اس سے لرز جائیں اور یہ (اہل ایمان) ان اہل کتاب کی مانند نہ ہو جائیں جن کے دل ایک لمبی مدت گزرنے کے بعد سخت ہو گئے' اور ان کی اکثریت نافرمان ہے۔''

اب اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ اس عذاب سے نکلنے کا رستہ کیا ہے جس میں آج قوم مبتلا ہے تو بتا دیں کہ استغفار کو اپنے لیے لازم کر لیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

۞۞۞

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

Visit us at www.tanzeem.org

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
ترتیب وتدوین: سید برہان علی۔ خالد محمود خضر

سُورۃُ الرُّوم

یہ سورۂ مبارکہ چھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ سورۃ الانعام اور سورۃ النمل سے بہت مشابہ ہے۔ اس کے بالکل آغاز میں جو پیشین گوئی کی گئی ہے وہ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے اور محمد ﷺ کا اللہ کے رسولِ برحق ہونے کی نمایاں ترین شہادتوں میں سے ایک ہے۔ اس حوالے سے تاریخی واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ سے کئی سو سال قبل سے عرب کے شمال میں سلطنتِ روما اور سلطنتِ فارس (ایران) دو عظیم طاقتیں (super powers) تھیں، جن کے مابین ہمیشہ کشمکش جاری رہتی تھی۔ حضور ﷺ کے مکی دور کے درمیانی زمانہ میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومیوں کو زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اُس وقت مکہ کی سرزمین پر حق و باطل کی جو کشمکش ہو رہی تھی اُس پر اِس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ مکہ کے مشرکین نے بغلیں بجانی شروع کر دیں۔ اس لیے کہ روی عیسائی اہل کتاب تھے جبکہ ایرانی مجوسی یعنی آگ کے پجاری تھے۔ مشرکین نے مسلمانوں کو چڑایا کہ دیکھو جن سے تمہیں کوئی نسبت ہے، یعنی روی عیسائی اہل کتاب، ان کو شکست ہوگئی ہے اور جن سے ہماری کوئی نسبت ہے یعنی ایرانی مجوسی ان کو فتح حاصل ہوئی ہے۔ اس سے اہل ایمان کو کچھ افسردگی ہوئی۔ چنانچہ ان حالات میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی، جس میں اہلِ روم کے غالب ہونے کی پیشین گوئی کی گئی۔ ارشاد ہوا:

﴿الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③﴾

''ا ل م۔ رومی قریب کی سرزمین (شام) میں مغلوب ہو گئے ہیں، لیکن یہ اس کے بعد عنقریب دوبارہ غالب آ جائیں گے۔''

ان دونوں حکومتوں کے درمیان شام و عراق کا علاقہ ہی میدانِ جنگ بنتا تھا، کبھی ایرانی رومیوں سے اس کو چھین لیتے تھے اور کبھی رومی آگے بڑھ کر ایرانیوں سے یہ علاقہ چھین لیتے تھے۔ ﴿فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ﴾ ''چند ہی سالوں میں۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی''۔ ﴿وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اُس دن اہلِ ایمان بہت خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے''۔ ﴿یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۵﴾﴾ ''وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ وہ زبردست اور رحیم ہے''۔ ﴿وَعْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''یہ اللہ کا وعدہ ہے''۔ ﴿لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾﴾ ''اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ یہ جانتے نہیں''۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نو سال بعد ہرقل نے ایرانیوں کو غیر متوقع عظیم شکست سے دوچار کیا۔ اور یہ عین وہی موقع ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کفار پر میدانِ بدر میں فتح مبین عطا فرمائی۔ یوں اہل ایمان کے لیے یہ دہری خوشی تھی۔

آگے بڑی پیاری آیت ہے:

﴿یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾﴾

''وہ دنیا کے صرف ظاہری پہلو کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔''

اگلی آیات میں ان غافلین کو مختلف انداز میں تنبیہہ کی جارہی ہے:

''کیا انہوں نے کبھی اپنے دل میں غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے برحق اور ایک وقت مقررہ کے لیے پیدا کیا ہے؟ مگر بہت سے لوگ اپنے ربّ کی ملاقات کے منکر ہیں۔ اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انہیں اپنے سے پہلے والوں کا انجام نظر آتا؟ وہ لوگ ان سے قوت میں بھی کہیں بڑھ کر تھے اور انہوں نے زمینیں بھی جوتی تھیں اور زمین کو جس قدر اِن لوگوں نے آباد کیا ہے اس سے بہت زیادہ اُن لوگوں نے آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تھے۔ پھر اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے مگر انہوں نے (نہ مان کر) خود اپنے اوپر ظلم کیا'' (آیات ۸ تا ۱۰)

اس حوالے سے اگر آج ہم اپنا تجزیہ کریں تو ہم بھی غافلین ہی میں شامل نظر آتے ہیں' اگرچہ ہم آخرت کو عقیدہ کے طور پر مانتے ہیں لیکن ہماری تمام سعی و جہد اور بھاگ دوڑ صرف اس دنیا ہی کے لیے ہے۔

آیات ۱۵ اور ۱۶ میں مؤمنین اور کافرین کے انجام کا تقابل کے انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ باغات میں ہوں گے اور ان کی خوب آؤ بھگت ہوگی۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا وہ لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔''

آیات ۱۷ اور ۱۸ میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا ذکر ہے۔ فرمایا:

''پس پاکی بیان کرو اللہ کی شام کے وقت (مغرب وعشاء)' صبح کے وقت (فجر)'...... پچھلے پہر (عصر) اور دوپہر کے وقت (ظہر)۔''

ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت وعظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ ''آفتاب'' عالمِ اجسام کا سب سے روشن کرّہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض وتاثیر سے شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو' اسی بنا پر ستارہ پرستوں نے اسے ''معبودِ اکبر'' قرار دیا تھا۔ ان مذکورہ پانچ اوقات میں آفتاب کے عجز و بیچارگی کا کھلا مظاہرہ ہوتا ہے۔

سورت کے تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درج ذیل نشانیوں کا تذکرہ فرمایا گیا: (۱) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنا (۲) بنجر زمین کو قابل کاشت بنانا (۳) انسان کو مٹی سے پیدا کرنا (۴) انسان کا اسی کی قسم سے جوڑا بنانا اور آپس میں محبت والفت ڈالنا (۵) آسمانوں اور زمین کا بنانا (۶) رات دن کا بنانا (دن کو روزی کی تلاش اور رات کو نیند کے لیے) (۷) آسمان سے بارش برسانا (۸) زمین و آسمان کو اپنے حکم سے کھڑا کرنا۔ ان نشانیوں کے تذکرے کے بعد فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ﴾ ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا اور وہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ (دوبارہ لوٹانا) اس پر زیادہ آسان ہے''۔ یہ فرما کر منکرین آخرت کے منہ بند کر دیے جو دوبارہ لوٹائے جانے کے انکاری تھے۔ (آیات ۱۹ تا ۲۷)

چوتھے رکوع میں ایک نہایت اہم مضمون آیا ہے کہ دین اسلام ہی دین فطرت ہے' اس میں کوئی غیر فطری قدغن نہیں لگائی گئی ہے۔ اوّلاً حضور ﷺ کو اور آپؐ کے توسط سے تمام اہلِ ایمان کو مخاطب کیا گیا کہ یکسو ہو کر اپنے چہرے کو اللہ کے دین کی طرف سیدھا رکھو' اِدھر اُدھر نہ بھٹکو۔ یہی دین قیم ہے' لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہو' اُسی کا تقویٰ اختیار کرو۔ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقہ بندی اور گروہ بندی کا شکار ہو گئے۔ (آیات ۳۰۔۳۱)

سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ مضمون آیا کہ ان کے مطالبہ پر ہم اگر ان کو کوئی نشانی دکھا بھی دیں تب بھی یہ ماننے والے نہیں۔ اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو علم نہیں رکھتے' مہر کر دیا کرتا ہے۔ اور اے نبی ﷺ! آپ صبر کیجیے' اللہ کا وعدہ سچا ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔ اور یہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے' کہیں آپ کو ہلکا اور کمزور نہ کر دیں۔ لہٰذا پوری قوت کے ساتھ جمے رہیے اور دعوت دیتے رہیے۔ (آیات ۵۸ تا ۶۰)

سُورۃُ لُقمان

سورۂ لقمان چار رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی آیات سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات سے کافی مشابہت رکھتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کے شروع میں ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۲﴾ اور یہاں ﴿هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۝۳﴾ فرمایا۔ وہاں تقویٰ کا ذکر ہے اور یہاں احسان کا جو ایک بلند تر مقام ہے۔ تقویٰ کی حیثیت بنیاد کی ہے۔ فرمایا کہ یہ محسنین نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر فی الواقع یقین رکھتے ہیں۔ یعنی ایمان بالآخرۃ صرف عقیدہ کے طور پر نہ ہو بلکہ سیرت و کردار میں یہ تمام صفات موجود ہوں تبھی آخرت پر حقیقی ایمان موجود ہوگا۔ ان کے بارے میں فرمایا: ''یہی لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔'' (آیات ۱ تا ۵)

آیت ۶ ہمارے دور کے لحاظ سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ کلچر کے نام پر شیطان نے رقص و سرود اور ان جیسی نمعلوم کتنی چیزیں ایجاد کی ہیں جن کا مقصد انسان کو ان مشاغل میں اس طرح مصروف رکھنا ہے کہ کبھی اللہ کی طرف اس کا دھیان ہی نہ ہو۔ ارشاد ہوا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو لہو ولعب کی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور بن سمجھے (اللہ کے دین اور اس کے راستہ کو) ہنسی مذاق بناتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''☆

اس سورۃ کا دوسرا رکوع بہت اہم ہے جس میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی وصیت بیان ہوئی ہے۔ یہ رکوع ہمارے ''مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب'' میں بھی شامل ہے۔ حضرت لقمان نہ تو نبی تھے نہ رسول اور نہ ہی کسی نبی کے اُمتی تھے' بلکہ ایک سلیم الفطرت انسان تھے۔ سورۃ الروم میں ہم نے پڑھا کہ یہ دین دینِ فطرت ہے۔ چنانچہ سلیم الفطرت اور سلیم العقل شخص اپنے غور وفکر کے نتیجے میں اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کی دعوت اللہ کا کوئی پیغمبر دیتا ہے۔ اس کی گواہی اور مثال کے طور پر حضرت لقمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

''اور ہم نے لقمان کو حکمت اور دانائی عطا فرمائی تاکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ (معلوم ہوا کہ حکمت اور دانائی وہی ہے جس کے نتیجے میں اللہ کے شکر کی کیفیت پیدا ہو۔) اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو کرتا ہے' اور جو کوئی کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی اور حمید ہے (وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے)۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بچے اللہ کے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا' یقیناً شرک بڑی ہی ناانصافی اور بہت بڑا ظلم ہے۔''

آیات ۱۴۔۱۵ کا پس منظر یہ ہے کہ اُس وقت مؤمنین کو اپنے آباء واَجداد کی جانب سے سخت دباؤ کا سامنا تھا کہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ آؤ جو درحقیقت شرک پر مبنی تھا۔ اس حوالے سے وصیت کی گئی کہ اپنے والدین اور خصوصاً ماں سے حسن سلوک کرو۔ آگے فرمایا: ''اور اگر وہ (والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرا شریک مان اس کو جو تجھے معلوم نہیں' تو ان کا کہنا مت مان' البتہ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ' اور چل اُس شخص کے طریق پر جو میری طرف رجوع کیے ہوئے ہو۔''

آیات ۱۷ تا ۱۹ میں ایک باپ (حضرت لقمان) اپنے بیٹے کو چند باتوں کے بجالانے اور چند باتوں سے دور رہنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ اوامر ونواہی آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرمایا:

''اے بیٹے نماز قائم کر' اچھائی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور مصائب پر صبر کر کہ یہ کام باہمت لوگوں کا

☆ ''لهو الحديث'' کی تعریف حضرت حسن بصریؒ سے یوں منقول ہے: كل ما شغلك عن عبادة الله وذكره من السمر والاضاحيك والخرافات والغناء ونحوها یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو' مثلاً فضول قصہ گوئی' ہنسی مذاق کی باتیں' واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ۔

ہے۔اپنے گال لوگوں کے لیے مت پھلا (یعنی تکبر مت کر) اور زمین میں اکڑ کر مت چل کہ اللہ کو کوئی متکبر اور اترانے والا پسند نہیں۔اپنی چال درمیانی رکھ اور اپنی آواز پست رکھ یقیناً بری سے بری آواز گدھے کی ہے (کیونکہ وہ گلا پھاڑ کے آواز نکالتا ہے)۔''

آیت ۳۳ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے دن والدین اور اولاد ایک دوسرے کے کام نہ آ سکیں گے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝﴾

''اے لوگو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس دن سے ڈرتے رہو کہ جس دن نہ کوئی اولاد اپنے والد کے کام آ سکے گی اور نہ والد اپنے اولاد کے۔بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے' پس دیکھنا کہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے' اور وہ بہت بڑا دھوکہ باز (یعنی شیطان) تمہیں دھوکہ میں مبتلا نہ کر دے۔''

اس سورۃ کی آخری آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن کی اہم ترین آیات میں سے ایک ہے۔اس میں پانچ چیزوں کا تذکرہ ہے جن کا کلی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔احادیث میں ان مذکورہ پانچ چیزوں کو ''مفاتیح الغیب'' فرمایا گیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝﴾

''یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم۔اور وہی بارش برساتا ہے۔اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحم مادر میں ہے۔اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہے کہ اس کی موت کس زمین پر واقع ہوگی۔بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

موجودہ دور میں اس حوالے سے ایک اشکال پیدا ہوا ہے کہ جینیٹک سائنس اس درجہ ترقی کر گئی ہے کہ قطعیت و حتمیت کے ساتھ اب یہ پیشین گوئی کرنا ممکن ہو گیا ہے کہ رحم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی۔اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اب تک اس آیت کا مفہوم جو لوگوں کے ذہنوں میں رہا ہے وہ واقعی یہی تھا کہ ان پانچ باتوں کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں ہے۔اس کا ایک جواب اگرچہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ جینیٹک سائنس کی پیشین گوئی سو فیصد یقینی نہیں ہوتی' لیکن اصل بات جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں' وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ مذکورہ بالا پانچ چیزوں میں سے تین کو تو اُس نے مثبت طور پر (positively) بیان کیا ہے کہ اِن اِن چیزوں کا علم اللہ کو ہے' لیکن دو چیزوں کے بارے میں دوٹوک انکار (Categorically deny) کیا ہے کہ یہ کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔یہ جو اسلوبِ بیان کا فرق ہے میرے نزدیک یہی قرآن کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔وہ دو چیزیں یہ ہیں کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کی موت کس زمین پر واقع ہوگی —— ان دو باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔باقی جو چیزیں مثبت انداز میں بیان ہوئی ہیں کہ اِن اِن چیزوں کا علم اللہ کو ہے' اس میں لازماً وہ نص قطعی نہیں آتی کہ کسی اور کو ان کا علم نہیں ہے۔

سُوْرَۃُ السَّجْدَۃ

یہ سورۂ مبارکہ تین رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کا زمانہ نزول مکہ مکرمہ کا تقریباً وسطی دور ہے۔ اس کے پس منظر میں ظلم وستم کی وہ شدت نظر نہیں آتی جو گزشتہ دو سورتوں میں نظر آتی ہے۔

قرآن کریم کی دو سورتیں اپنے اسلوب کے اعتبار سے منفرد ہیں' ایک سورۃ یٰسین اور دوسری سورۃ السجدۃ۔ ان کا انداز ایسا ہے جیسے دل کی دھڑکن ہوتی ہے اور یہ دونوں سورتیں متحرک معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی آیات اور مضامین باہم اس قدر مربوط اور جڑے ہوئے ہیں کہ کسی ایک آیت کو علیحدہ رکھ کر سمجھنا ممکن معلوم نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس سورۂ مبارکہ سے خاص تعلق تھا اور جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں آپؐ بالعموم اسی سورۃ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ سورۃ کا موضوع توحید' آخرت اور رسالت کے متعلق لوگوں کے شبہات کو رفع کرنا اور ان تینوں حقیقتوں پر ایمان کی دعوت دینا ہے۔

سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

﴿الٓمّٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ②﴾

''الم۔ اس کتاب کا اتارا جانا بلاشبہ اللہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔''

آگے فرمایا:

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کتاب کو اس شخص (یعنی محمد ﷺ) نے گھڑ لیا ہے؟ (نہیں' اے پیغمبر!) بلکہ یہ حق ہے آپؐ کے پروردگار کی طرف سے' تاکہ آپؐ خبردار کر دیں اُس قوم کو جس کے پاس پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہِ راست پر آ جائیں۔''

اس کے بعد آسمان وزمین کی تخلیق کا ذکر ہے۔ پھر آیات ۷ تا ۱۱ میں انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد منکرین آخرت کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں پھر زندہ کرے گا اور تمہیں تمہارے اعمال کی جزا ملے گی۔ فرمایا:

''(اللہ ہی وہ ذات ہے) جس نے ہر چیز کو خوبصورت بنایا اور انسان کی پیدائش کا آغاز گارے سے کیا۔ پھر اس کی نسل کو نچوڑے ہوئے بے قدر پانی سے بنایا۔ پھر اس کو (نک سک سے) درست کیا اور پھونکی اس میں اپنی روح اور بنا دیے تمہارے لیے کان' آنکھیں اور دل۔ تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو۔ اور (یہ منکرین) کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں مرکھپ جائیں گے تو کیا ہمیں نیا بننا ہے! بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات ہی کے منکر ہیں۔ (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے تم کو موت کا فرشتہ قبض کر لیتا ہے جو تم پر مقرر ہے اور پھر تم اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے۔''

آیات ۱۵' ۱۶ میں اہل ایمان کی ان صفات کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا:

''ہماری آیات پر بس وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرنے لگتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔

ان کے پہلو رات کے وقت اپنے بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں خوف اور اُمید کے ساتھ اور جو کچھ بھی ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔''

اس کے بعد فرمایا:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾﴾

''پس کسی کو علم نہیں کہ کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے لیے (خزانۂ غیب میں) مخفی رکھا گیا ہے۔ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا۔''

جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ)) (متفق علیہ) یعنی وہاں اہل ایمان کے لیے وہ کچھ موجود ہوگا جو (دنیا میں) نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گمان ہی گزرا۔

اس کے بعد مؤمن اور فاسق کا انجام کے حوالے سے موازنہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ جو شخص مؤمن ہو وہ اس شخص کے برابر ہو جائے جو نافرمان ہو؟ (نہیں' یہ دونوں ہرگز) برابر نہیں ہو سکتے۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کا ٹھکانہ جنت ہے' جو ان کے اعمال کے سبب ان کی مہمانی ہے۔ اور جو لوگ نافرمانی کرتے رہے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی وہ اس عذاب سے نکلنا چاہیں انہیں اس میں دوبارہ لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو آگ کا عذاب جس کا تم انکار کرتے تھے۔'' (آیات ۱۸ تا ۲۰)

آگے ارشاد ہوا:

﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾﴾

''اور ہم ان کو قریب کے عذاب (کا مزا) بھی اس بڑے عذاب کے علاوہ چکھا کر رہیں گے' شاید کہ یہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ایک اہم قانون کا حوالہ ہے کہ اس اُمت پر چھوٹے چھوٹے عذاب جن کی حیثیت تنبیہات کی ہوتی ہے' قیامت تک آتے رہیں گے' لیکن نسیاً منسیا کر دینے والا عذابِ استیصال جو ان چھوٹے عذابوں کے بعد آتا ہے' جیسے کہ قومِ نوح' قومِ عاد اور قومِ ثمود وغیرہ پر آیا' اس کا اب اندیشہ نہیں' اس لیے کہ وہ رسالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی کوئی رسول آ کر کسی قوم پر اتمامِ حجت کر دے' لیکن وہ قوم اس کے باوجود انکار کر دے تو وہ قوم عذابِ استیصال کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ اب چونکہ تا قیامِ قیامت کوئی اور رسول نہیں آئے گا اس لیے وہ جڑ کاٹ دینے والا عذاب بھی نہیں آئے گا۔

خاتمہ کلام پر نبی کریم ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ یہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے آپ سے فیصلہ کن فتح کا وقت پوچھتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجیے کہ جب فیصلے کا وقت آ جائے گا تو اس وقت کافروں کا ایمان لے آنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا' (لہٰذا ابھی مان لو بجائے اس کے کہ اُس وقت کے انتظار میں بیٹھے رہو۔) پس اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کی باتوں کی کچھ پروا نہ کریں اور انتظار کریں' یہ بھی منتظر ہیں۔ (آیات ۲۸ تا ۳۰)

سُوْرَۃُ الْاَحزَاب

سورۃ الاحزاب نو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں تین اہم واقعات کا ذکر ہے' یعنی غزوۂ احزاب' غزوۂ بنی قریظہ اور رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح۔ یہ تینوں واقعات ۵ھ میں پیش آئے' لہٰذا یہی اس سورۃ کا زمانہ نزول ہے۔ اس زمانہ میں نئے مسلم معاشرے کی تعمیر اور زندگی کے ہر گوشہ میں اصلاح کا کام جاری رہا۔ قوانینِ نکاح وطلاق اس عرصہ میں تقریباً مکمل ہو گئے' وراثت کا قانون بنا' شراب اور جوئے کو حرام کیا گیا اور معیشت ومعاشرت کے حوالے سے بہت سے نئے ضابطے نافذ کیے گئے۔

اس ضمن میں ایک نہایت اہم مسئلہ اصلاح کا متقاضی تھا اور وہ تھا متبنّٰی یعنی لے پالک یا منہ بولے بیٹے کا مسئلہ۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ کا پہلا رکوع اسی سے متعلق ہے۔ دنیا کے دوسرے علاقوں کی طرح عربوں میں بھی یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اگر کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تھا تو ہر معاملہ میں اس کی حیثیت اصل بیٹے کی سی ہو جاتی تھی۔ قرآن نے اس دستور کو ختم کیا۔ بتا دیا گیا کہ بیٹا وہی ہے جو اپنے باپ کی صُلب سے ہو اور ماں وہی ہے جس نے اس کو جنا ہو۔ معاشرہ میں منہ بولے بیٹے کو جو تقدس حاصل تھا اس کو ختم کرنا مقصود تھا' لیکن یہ تقدس صرف قانونی طور پر اتنی بات کہہ دینے سے ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات واوہام کو ختم کرنے کے لیے کسی انقلابی اقدام کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ یہ بات ان کے سابقہ رسم ورواج کے تحت انتہائی معیوب تھی' لیکن اس رسم ورواج کو ختم کرنا اسی طرح ممکن تھا۔ چونکہ معاملہ ایسا تھا کہ اس پر شدید مخالفانہ پراپیگنڈہ ہونے کا امکان تھا' چنانچہ سورۃ کے آغاز ہی میں فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝﴾

''اے نبی! اللہ کا تقویٰ اختیار کیجیے اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے' بے شک اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ آپ پر وحی کیا جا رہا ہے اسی کا اتباع کیجیے' یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔ اور (اے نبیؐ) اللہ پر توکل کیجیے (کسی کی مخالفت اور کسی اعتراض کی کوئی پروا نہ کیجیے) اور کارساز ہونے کے اعتبار سے اللہ ہی کافی ہے۔''

سورۂ مبارکہ کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے۔ جن حالات میں یہ غزوہ واقع ہوا وہ سب کے علم میں ہیں۔ اس موقع پر اہل ایمان کی شدید ترین آزمائش ہو گئی۔ ایسی صورت میں جبکہ ایک چھوٹی سی بستی جو چند ہزار گھروں پر مشتمل ہے' بستی کے اندر مارِ آستین یعنی یہودی موجود ہیں جو عین وقت پر پیٹھ میں خنجر گھونپ سکتے ہیں' بارہ ہزار کے لشکر نے اُس بستی کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ ایسی پریشان کن صورت

حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو اچھی طرح جانچ اور پرکھ لیا۔ اس کا ذکر یوں کیا گیا:

''اے اہلِ ایمان! یاد کرو اللہ کی اُس نعمت کو جو تم پر اُس وقت ہوئی جبکہ تم پر چڑھ آئے تھے لشکر (یہ لشکر تین طرف سے آئے تھے: شمال سے یہودی' مکہ سے قریش اور مشرق سے قبائلِ غطفان) تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے' اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ جب وہ (لشکر) تم پر چڑھ آئے اوپر اور نیچے کی طرف سے اور جب نگاہیں کج ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اُس وقت اہل ایمان کا امتحان لیا گیا اور انہیں ہلا ڈالا گیا پوری شدت کے ساتھ۔'' (آیات ۹ تا ۱۱)

امتحان و آزمائش کے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں' پاس یا فیل۔ ایک طرف انسان کی عزت بڑھتی ہے تو دوسری جانب وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر منافقین ناکام ہوگئے اور مخلص اہل ایمان کامیاب ہوگئے۔ آیت ۱۲ میں منافقین کا قول نقل ہوا ہے کہ: ﴿مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾﴾ یعنی ''اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹے وعدے کیے'' ہمیں دھوکہ دے کر مروا دیا۔ ہمیں تو امید دلائی گئی تھی کہ تمہیں قیصر و کسریٰ کے خزانے ملیں گے' حکومت ملے گی اور حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتے۔

اس کے برعکس مخلص اہلِ ایمان کے کردار کا تذکرہ تیسرے رکوع میں آ رہا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾﴾

''اے مسلمانو تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی شخصیت میں بہترین نمونہ ہے' ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور روزِ آخرت (کی ملاقات) کا امیدوار ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔''

ہم نے اس آیت سے چھوٹی چھوٹی سنتیں' وضع قطع اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں حضور ﷺ کی پیروی کر لینا مراد لے رکھا ہے' جبکہ اصل میں تو نبی اکرم ﷺ کا جو کردار غزوۂ احزاب میں نمایاں ہو کر آ رہا ہے وہ ہے اصل اُسوہ حسنہ جس کی طرف یہاں اہل ایمان کو توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ہمارے رسول (ﷺ) کو دیکھو! غزوۂ احزاب کی بے انتہا سختیوں میں کیسے صبر و استقلال سے ڈٹے رہے اور اہل ایمان کے ساتھ بنفس نفیس خندق کی کھدائی میں مصروف رہے۔ بطور قائد اور سپہ سالار آپؐ کے پائے استقامت میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی۔ چنانچہ اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہر معاملے میں' خاص طور پر ہمت و استقلال میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا آئیڈیل بنائیں۔

آگے فرمایا کہ جب اہل ایمان نے ان لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے: ﴿هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ ''یہی تو ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسولؐ نے' اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا'' اور اس واقعے نے اُن کے ایمان اور شیوۂ فرماں برداری ہی میں اضافہ کیا۔ اہلِ ایمان میں وہ جواں مرد ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد کہ جو انہوں نے اپنے پروردگار سے کیا تھا۔ ان میں وہ بھی ہیں کہ جو اپنی نذر گزار چکے اور باقی جو ہیں وہ منتظر ہیں کہ کب ہمارا وقت آئے (کہ ہماری بھی گردنیں اللہ کی راہ

میں کٹیں اور ہم سبکدوش اور سرخرو ہو جائیں۔) انہوں نے اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا تا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقین کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے۔ یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (آیات ۲۲ تا ۲۴)

چوتھے رکوع میں خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب ہے کہ تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو بلکہ اہل ایمان عورتوں کے لیے نمونہ ہونے کے اعتبار سے تمہاری خصوصی حیثیت اور ذمہ داری ہے۔ ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ ''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو'' کی ہدایت دے کر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ کسی غیر محرم سے بات کرنی ہی پڑ جائے تو آواز میں کسی قسم کی لوچ نہ ہو تا کہ کسی خبیث شخص کے دل میں خواہ مخواہ کوئی برا خیال یا اُمید چٹکیاں نہ لینے لگے۔ پانچویں رکوع کے آغاز میں اہلِ ایمان مَردوں اور عورتوں کی دس صفات بیان فرمائی گئیں کہ ان تمام خیرات وحسنات' نیکیوں اور بھلائیوں میں مرد وعورت برابر ہیں۔

ساتویں رکوع میں اہل ایمان کو نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں حاضر ہونے کے آداب بتلائے گئے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ جب ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز لینی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ آٹھویں رکوع کے آغاز میں گھر سے باہر کے پردے کے بارے میں ہدایت دی گئی:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۹﴾﴾

''اے نبی (ﷺ) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ اس سے وہ جلد پہچان لی جائیں گی اور انہیں ستایا نہ جائے گا۔ اور اللہ غفور و رحیم ہے۔''

آیت ۶۳ میں قیامت کے حوالے سے لوگوں کے سوال کو پھر دہرایا گیا کہ کب آئے گی؟ اس کا جواب دیا گیا کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ آخر میں انسان کو اللہ نے یہ احساس دلایا کہ دنیا میں اس کی حقیقی حیثیت کیا ہے۔ خلافتِ ارضی کے حوالہ سے بتایا گیا کہ یہ جو انسان کو عطا کی گئی ہے یہ اتنی گراں بار ہے کہ آسمان' زمین اور پہاڑ اس کو اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ اب اس بارِ امانت کو اٹھانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ منافقین اور مشرکین کو سزا دے اور مؤمنین کی توبہ کو قبول کرے۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۂ آل عمران (مسلسل)

آیات ۱۸۵۔۱۸۶

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۖ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوٓا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝

ف و ز

فَازَ (ن) فَوْزًا: (۱) نجات پانا (۲) کامیاب ہونا۔ آیت زیر مطالعہ۔

فَوْزٌ (اسم ذات بھی ہے): نجات' کامیابی۔ ﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۱۱۱﴾ (التوبۃ) ''اور یہی شاندار کامیابی ہے۔''

فَائِزٌ (اسم الفاعل): نجات پانے والا' کامیاب ہونے والا۔ ﴿وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ ۝۲۰﴾ (التوبۃ) ''اور وہ لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

مَفَازٌ (اسم الظرف): نجات کی جگہ' کامیابی کی جگہ۔ ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ﴾ (آل عمران:۱۸۸) ''پس تو ہرگز گمان نہ کر ان کو کسی نجات کی جگہ میں' عذاب سے''۔ ﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝۳۱﴾ (النبا) ''یقیناً متقی لوگوں کے لیے ہی کامیابی کا ٹھکانہ ہے۔''

ترکیب: ''كُلُّ نَفْسٍ'' مرکب اضافی اور مبتدأ ہے جبکہ مرکب اضافی ''ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'' اس کی خبر ہے۔ ''تُوَفَّوْنَ'' کا نائب فاعل اس میں ''أَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''أُجُورَكُمْ'' مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''أُدْخِلَ'' کا نائب فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''مَنْ'' کے لیے ہے اور ''الْجَنَّةَ'' مفعول ہے۔

ترجمہ:

كُلُّ نَفْسٍ :ہرایک جان	ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ :موت کو چکھنے والی ہے
وَاِنَّمَا :اور بات صرف اتنی ہے کہ	تُوَفَّوْنَ :تم لوگوں کو پورے پورے دیے جائیں گے
اُجُوْرَكُمْ :تمہارے اجر	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ :قیامت کے دن
فَمَنْ :پس جو	زُحْزِحَ :دور کیا گیا
عَنِ النَّارِ :آگ سے	وَاُدْخِلَ :اور داخل کیا گیا
الْجَنَّةَ :جنت میں	فَقَدْ فَازَ :تو وہ کامیاب ہوا ہے
وَمَا :اور نہیں ہے	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ :دنیوی زندگی
اِلَّا :مگر	مَتَاعُ الْغُرُوْرِ :دھوکے کا سامان
لَتُبْلَوُنَّ :تم لوگوں کو لازماً آزمایا جائے گا	فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ :تمہارے اموال میں
وَاَنْفُسِكُمْ :اور تمہاری جانوں میں	وَلَتَسْمَعُنَّ :اور تم لوگ لازماً سنو گے
مِنَ الَّذِيْنَ :ان لوگوں سے جن کو	اُوْتُوا :دی گئی
الْكِتٰبَ :کتاب	مِنْ قَبْلِكُمْ :تم سے پہلے
وَمِنَ الَّذِيْنَ :اور ان لوگوں سے جنہوں نے	اَشْرَكُوْٓا :شرک کیا
اَذًى كَثِيْرًا :بہت زیادہ اذیت (کی باتیں)	وَاِنْ تَصْبِرُوْا :اور اگر تم لوگ ثابت قدم رہے
وَتَتَّقُوْا :اور تم لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا	فَاِنَّ :تو یقیناً
ذٰلِكَ :یہ	مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ :حوصلے کے کاموں میں سے ہے

نوٹ: ابھی آیت ۱۸۴ میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی تھی کہ ان لوگوں کے جھٹلانے سے آپ پریشان نہ ہوں' کیونکہ اسلام کے مخالفین کی یہ پرانی عادت ہے اور آپؐ سے پہلے بھی رسولوں کی تکذیب اور تضحیک ہوتی آئی ہے۔ اب آیت ۱۸۶ میں اہل ایمان کو خبردار کیا گیا ہے کہ ختم نبوت کے ساتھ یہ سلسلہ ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ تکذیب واستہزا اور آزمائشوں کا یہ سلسلہ جاری رہے گا جب تک اس زمین پر حق وصداقت کے نام لیوا موجود ہیں۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دی ہے کہ وقتی نقصانات اور تکالیف سے دلبرداشتہ ہو کر یا مخالفین کی مبالغہ آرائی' جھوٹے پروپیگنڈے اور طنز واستہزا کے طوفانِ بدتمیزی سے پریشان ہو کر اپنے موقف سے دستبردار مت ہونا۔ نیز ان کا جواب دینے میں اللہ کی حدود سے تجاوز مت کرنا' ان کی کسی غلطی کو اپنی غلطی کا جواز مت بنانا اور اسلام کے معیار سے نیچے اُتر کر ان کے جیسے اوچھے ہتھیار مت استعمال کرنا' کیونکہ حوصلہ مند لوگوں کا یہ کام نہیں ہے۔

آیات ۱۸۷ تا ۱۸۹

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترکیب: ''لَتُبَيِّنُنَّهٗ'' اور ''تَكْتُمُوْنَهٗ'' کی مفعولی ضمیریں ''اَلْكِتٰبَ'' کے لیے ہیں جبکہ ''فَنَبَذُوْهُ'' کی ضمیرِ مفعولی ''مِيْثَاقَ'' کے لیے ہے۔

ترجمہ:

وَاِذْ: اور جب	اَخَذَ: پکڑا (یعنی لیا)
اللّٰهُ: اللہ نے	مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ: ان لوگوں کا عہد جن کو
اُوْتُوا: دی گئی	الْكِتٰبَ: کتاب (کہ)
لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ: تم لوگ لازماً واضح کرو گے اس کو	وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ: اور تم لوگ نہیں چھپاؤ گے اس کو (یعنی کتاب کو)
فَنَبَذُوْهُ: تو انہوں نے پھینکا اس کو (یعنی عہد کو)	وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ: اپنی پیٹھوں کے پیچھے
وَاشْتَرَوْا: اور انہوں نے خریدا (یعنی حاصل کیا)	بِهٖ: اس کے (یعنی کتاب کے) بدلے
ثَمَنًا قَلِيْلًا: تھوڑی قیمت کو	فَبِئْسَ: تو کتنا برا ہے
مَا: وہ جو	يَشْتَرُوْنَ: یہ لوگ خریدتے ہیں
لَا تَحْسَبَنَّ: تو ہرگز گمان نہ کر	الَّذِيْنَ: ان لوگوں کو جو
يَفْرَحُوْنَ: اتراتے ہیں	بِمَآ: اس پر جو
اَتَوْا: انہوں نے کیا	وَّيُحِبُّوْنَ: اور پسند کرتے ہیں
اَنْ: کہ	يُّحْمَدُوْا: ان کی تعریف کی جائے
بِمَا: اس پر جو	لَمْ يَفْعَلُوْا: انہوں نے کیا ہی نہیں
فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ: پس تو ہرگز گمان نہ کر ان کو	بِمَفَازَةٍ: کسی نجات کی جگہ میں
مِّنَ الْعَذَابِ: عذاب سے	وَلَهُمْ: اور ان کے لیے ہی ہے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ: ایک دردناک عذاب	وَلِلّٰهِ: اور اللہ ہی کے لیے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : آسمانوں اور زمین کی حکومت وَاللّٰهُ :اوراللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ : ہر چیز پر قَدِيْرٌ : ہمیشہ سے قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ۱: آیت ۱۸۷ میں جس عہد کا حوالہ دیا گیا ہے وہ قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔ البتہ بائبل میں جگہ جگہ اس کا ذکر آتا ہے جس میں حضرت موسیٰ بار بار بنی اسرائیل سے عہد لیتے ہیں کہ جو احکام میں نے تم کو پہنچائے ہیں انہیں اپنے دل پر نقش کرنا' آئندہ نسلوں کو سکھانا اور اٹھتے بیٹھتے ان کا چرچا کرنا (تفہیم القرآن)۔ لیکن انہوں نے اس عہد کی پرواہ نہیں کی اور دُنیا کمانے کے لیے نہ صرف تورات کے احکام کو چھپایا بلکہ اس میں تحریف بھی کی۔

نوٹ۲: کوئی نیک عمل کرنے کے بعد اس کی تشہیر کا اہتمام کرے' تو عمل کرنے کے باوجود قواعد شرعیہ کی رو سے یہ مذموم ہے اور عمل نہ کرنے کی صورت میں تو اور بھی زیادہ مذموم ہے۔ البتہ طبعی طور پر یہ خواہش ہونا کہ میں فلاں نیک کام کروں اور نیک نام ہوں' وہ اس میں داخل نہیں ہے جبکہ اس نیک نامی کا اہتمام نہ کرے۔ (معارف القرآن)

آیات ۱۹۰ تا ۱۹۴

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

ج ن ب

جَنَبَ (ن) جَنْبًا : پہلو پر مارنا' کسی سے کسی چیز کو ہٹانا' دُور کرنا۔

اُجْنُبْ (فعل امر) : تو دُور کر۔ ﴿وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴾ (ابراھیم) ''تو دور کر دے مجھے اور میرے بیٹوں کو کہ ہم پرستش کریں بُتوں کی۔''

جَنِبَ (س) جَنَابَةً : ناپاک ہونا۔ (اس حالت میں انسان دوسروں سے اور عبادات سے دور رہتا ہے)۔

جَنَّبَ (تفعیل) تَجْنِيْبًا : کسی کو کسی چیز سے ہٹانا' بچانا۔ ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴾ (اللیل) ''اور بچایا جائے گا اس سے زیادہ پرہیز گار کو۔''

تَجَنَّبَ (تفعّل) تَجَنُّبًا : دور ہونا۔ ﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴾ (الاعلیٰ) ''اور دُور ہوتا ہے اس سے زیادہ بد بخت۔''

اِجْتَنَبَ (افتعال) اِجْتِنَابًا: کسی چیز سے اہتمام سے بچنا' دور رہنا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ﴾ (الشوریٰ:۳۷) ''اور وہ لوگ جو دُور رہتے ہیں کبیرہ گناہوں سے۔''

اِجْتَنِبْ: تو بچ' تو دُور رہ۔ ﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ (الحج) ''اور تم لوگ دور رہو جھوٹی بات سے۔''

جَنْبٌ ج جُنُوْبٌ: (۱) پہلو' کروٹ (۲) پہلو والا' قربت والا۔ ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا﴾ (یونس:۱۲) ''اور جب کبھی چھوتی ہے انسان کو تکلیف تو وہ پکارتا ہے ہم کو اپنی کروٹ سے یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے''۔ ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (النسآء:۳۶) ''اور کروٹ کے ساتھی سے اور مسافر سے۔''

جُنُبٌ: (۱) دوری والا (۲) ناپاک۔ ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ﴾ (النسآ:۳۶) ''اور دور کے پڑوسی اور قریبی ساتھی سے''۔ ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (المآئدۃ:۶) ''اگر تم لوگ ناپاک ہو تو خوب پاک ہو جاؤ۔''

جَانِبٌ (فَاعِلٌ کا وزن): (۱) کسی چیز کا کنارہ۔ (۲) کسی کی طرف۔ ﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ (بنی اسراء یل:۶۸) ''تو کیا تم لوگ امن میں ہو گئے اس سے کہ وہ دھنسا دے تمہارے ساتھ زمین کے کنارے کو''۔ ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ﴾ (مریم:۵۲) ''اور ہم نے آواز دی اس کو طور کی داہنی طرف سے۔''

ترکیب: ''لَاٰيٰتٍ'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہے اور ''اِنَّ'' کا اسم ہونے کی وجہ سے حالتِ نصب میں ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ ''فِيْ خَلْقِ'' سے ''وَالنَّهَارِ'' تک قائم مقام خبر ہے اور ''لِاُولِي الْاَلْبَابِ'' متعلق خبر ہے۔ ''قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا'' حال ہے ''اُولِي الْاَلْبَابِ'' کا۔ ''رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ'' سے پہلے ''فَيَقُوْلُوْنَ'' محذوف ہے۔ ''خَلَقْتَ'' کا مفعول ''هٰذَا'' ہے اور ''بَاطِلًا'' حال ہے ''هٰذَا'' کا۔ ''مَنْ'' شرطیہ ہے اس لیے ''تُدْخِلِ'' مجزوم ہے۔

ترجمہ:

اِنَّ: یقیناً	فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ: اور دن اور رات کے مختلف ہونے (یعنی آنے جانے) میں	لَاٰيٰتٍ: بے شک کچھ نشانیاں ہیں
لِّاُولِي الْاَلْبَابِ: عقل والوں کے لیے	الَّذِيْنَ: وہ لوگ جو
يَذْكُرُوْنَ: یاد کرتے ہیں	اللّٰهَ: اللہ کو
قِيٰمًا: کھڑے ہوئے	وَّقُعُوْدًا: اور بیٹھے ہوئے
وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ: اور اپنی کروٹوں پر	وَيَتَفَكَّرُوْنَ: اور سوچ بچار کرتے ہیں

فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ :آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں
مَا خَلَقْتَ :تُو نے نہیں پیدا کیا
بَاطِلًا :بے مقصد ہوتے ہوئے
فَقِنَا :پس تُو بچا ہم کو
رَبَّنَآ :اے ہمارے ربّ
مَنْ :جس کو
النَّارَ :آگ میں
وَمَا :اور نہیں ہے
مِنْ اَنْصَارٍ :کسی قسم کا کوئی مددگار
اِنَّنَا :بے شک ہم نے
مُنَادِیًا :ایک آواز دینے والے کو جو
لِلْاِیْمَانِ :ایمان کے لیے
اٰمِنُوْا :تم لوگ ایمان لاؤ
فَاٰمَنَّا :تو ہم ایمان لائے
فَاغْفِرْلَنَا :پس تُو بخش دے ہمارے لیے
وَکَفِّرْ :اور تُو دور کر دے
سَیِّاٰتِنَا :ہماری برائیوں کو
مَعَ الْاَبْرَارِ :نیک لوگوں کے ساتھ
وَاٰتِنَا :اور تُو عطا کر ہم کو
وَعَدْتَّنَا :تُو نے وعدہ کیا ہم سے
وَلَا تُخْزِنَا :اور تُو رسوا مت کرنا ہم کو
اِنَّکَ :بے شک تُو
الْمِیْعَادَ :وعدے کے

رَبَّنَا :(تو وہ پکار اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے ربّ
هٰذَا :اس کو
سُبْحٰنَکَ :(ہم پاکی بیان کرتے ہیں) تیری پاکی بیان کرنا
عَذَابَ النَّارِ :آگ کے عذاب سے
اِنَّکَ :بے شک تُو
تُدْخِلِ :داخل کرے گا
فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ :تو تو نے رسوا کر دیا ہے اس کو
لِلظّٰلِمِیْنَ :ظالموں کے لیے
رَبَّنَآ :اے ہمارے رب
سَمِعْنَا :سنا
یُّنَادِیْ :آواز دیتا ہے
اَنْ :کہ
بِرَبِّکُمْ :اپنے ربّ پر
رَبَّنَا :اے ہمارے ربّ
ذُنُوْبَنَا :ہمارے گناہوں کو
عَنَّا :ہم سے
وَتَوَفَّنَا :اور تُو موت دے ہم کو
رَبَّنَا :اے ہمارے ربّ
مَا :وہ جس کا
عَلٰی رُسُلِکَ :اپنے رسولوں (کی زبانی)
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ :قیامت کے دن
لَا تُخْلِفُ :خلاف نہیں کرتا

نوٹ۱ : اگر آپ کسی باغ (park) میں دیکھتے ہیں کہ گھاس اور پودے بے ترتیبی سے جھاڑ جھنکاڑ کی طرح اُگے ہوئے ہیں، تو آپ کی عقل تسلیم کرے گی کہ یہ گھاس اور پودے خود بخود اُگ آئے ہیں اور ان کا کوئی مالی نہیں ہے۔ پھر آپ کسی دوسرے باغ میں دیکھتے ہیں کہ وہاں کی گھاس اور پودوں کے اُگنے میں ایک نظم، ترتیب

اور حسن ہے' تو آپ کی عقل تسلیم کرلے گی کہ اس باغ کا ایک مالی ہے' خواہ وہ مالی کہیں نظر نہ آ رہا ہو۔ اس کائنات میں ہم دیکھتے ہیں کہ زمین' چاند' سورج' سیارے' یہاں تک کہ ایک حقیر سے ذرّے ایٹم کے اندر الیکٹرون تک گردش کر رہے ہیں۔ ہر چیز کی گردش دائیں سے بائیں جانب (anti clockwise) ہے۔ ہر ایک کی گردش کا ایک مقرّرہ مدار (orbit) ہے۔ ہر ایک کی شکل بیضوی ہے۔ باغ میں سب پودوں کو پانی ایک ہی دیا جاتا ہے لیکن پھل غذائیت اور ذائقے کے لحاظ سے مختلف آتے ہیں۔ دودھ دینے والے جانور چارہ کھاتے ہیں' اسی سے خون بھی بنتا ہے اور گوبر بھی' پھر انہی کے درمیان سے خالص دودھ نکلتا ہے۔ یہ اور ایسی بے شمار نشانیوں کے ذکر سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے جن سے ہر دور کا انسان اپنی ذہنی سطح کے مطابق بہت آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں آنے والی چیز نہیں ہے' بلکہ اس کا ایک خالق اور مالک ہے' خواہ ہم کو وہ نظر نہ آئے۔ یہ وہ راستہ ہے جس کے ذریعے ہر ایک غیر متعصّب ذہن ایمان باللہ تک خود بخود رسائی حاصل کر سکتا ہے اور جس کے لیے وہ کسی نبی یا رسول کی دعوت کا محتاج نہیں ہے۔

نوٹ ۲: کسی اُلجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے کی کوشش میں جب ڈور کا سرا ہاتھ آ جاتا ہے تو پھر اسے مضبوطی سے پکڑ کر ہم ڈور کو مزید سلجھاتے ہیں۔ اسی طرح ایمان باللہ تک رسائی ہو جانے کے بعد جب انسان اللہ کو یاد کرتے ہوئے کائنات پر مزید غور و فکر کرتا ہے' تو اس کا ذہن کچھ مزید حقائق تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک تو کوئی اور ہے لیکن اس پر تصرف کا اختیار انسان کو حاصل ہے۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ انسان میں غلط اور صحیح کی تمیز اور ایک اخلاقی حس موجود ہے۔ لیکن صحیح پر انعام اور غلطی پر سزا نہیں ملتی۔ اخلاقی قوانین کا نتیجہ اوّل تو نکلتا نہیں اور اگر کبھی نکلتا بھی ہے تو وہ غیر متناسب ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مادی قوانین کا نتیجہ لازمی نکلتا ہے' البتہ اس کے ظہور میں وقفہ حائل ہوتا ہے۔ گندم کے بیج سے گندم ہی نکلتی ہے لیکن تین چار ماہ بعد۔ آم کے بیج سے آم ہی نکلتا ہے لیکن چار پانچ سال بعد۔ کھجور اور جامن کے بیج کا نتیجہ نکلنے میں تیس چالیس سال کا وقفہ حائل ہوتا ہے۔

یہ مشاہدہ ہر غیر متعصّب ذہن کو اس نتیجہ تک پہنچا دیتا ہے کہ اس کائنات پر تصرّف کا اختیار اس کے خالق و مالک کی مرضی کے مطابق کرنے یا نہ کرنے کا نتیجہ اور دیگر اخلاقی قوانین کا نتیجہ لازماً نکلتا ہے' البتہ اس کے ظہور میں ہر انسان کی اپنی زندگی کا وقفہ حائل ہوتا ہے جو عام طور پر ستر اسّی (۷۰۔۸۰) سال کا ہوتا ہے۔ ایک حکیمانہ قول کے مطابق جب کسی انسان کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہر ایک غیر متعصب ذہن ایمان بالآخرۃ تک از خود رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

نوٹ ۳: اپنے مشاہدے اور غور و فکر کے نتیجے میں جن لوگوں کا ذہن ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا ایک اجمالی تصوّر حاصل کر لیتا ہے' اُن کے سامنے جب کسی نبی یا رسول کی دعوت پیش کی جاتی ہے تو وہ لپک کر اس کو قبول کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کے اپنے دل کی آواز ہوتی ہے۔ پھر وہ نبی یا رسول علم وحی کے ذریعے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے اجمالی خاکے میں تفصیلات کا رنگ بھرتا ہے۔ اس طرح ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی ایمان باللہ' ایمان بالآخرہ اور ایمان بالرسالت کی تکمیل ہوتی ہے۔

آیات ۱۹۵ تا ۱۹۷

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

ترکیب: ''مِنْ ذَكَرٍ'' کا ''مِنْ'' بیانیہ ہے اور ''مِنْكُمْ'' کی تفصیل کے لیے ہے۔ ''فَالَّذِیْنَ'' سے ''وَقُتِلُوْا'' تک صلہ موصول مل کر مبتدا ہے۔ ''لَاُكَفِّرَنَّ'' سے ''جَنّٰتٍ'' تک اس کی خبر ہے۔ ''ثَوَابًا'' حال ہے اسی لیے منصوب ہے۔ ''لَا یَغُرَّنَّكَ'' کا فاعل ''تَقَلُّبُ'' ہے۔ ''فِی الْبِلَادِ'' متعلق ہے ''تَقَلُّبُ'' سے اور ''كَفَرُوْا'' سے متعلق نہیں ہے۔ ''مَتَاعٌ قَلِیْلٌ'' صفت موصوف مل کر خبر ہے۔ اس کا مبتدا ''هُوَ'' یا ''ذٰلِكَ'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

فَاسْتَجَابَ: تو قبول کیا	لَهُمْ: ان کے لیے
رَبُّهُمْ: ان کے رب نے (ان کی دعا کو یہ کہتے ہوئے)	اَنِّیْ: کہ میں
لَآ اُضِیْعُ: ضائع نہیں کرتا	عَمَلَ عَامِلٍ: کسی عمل کرنے والے کے عمل کو
مِّنْكُمْ: تم میں سے	مِّنْ ذَكَرٍ: مذکر ہو
اَوْ اُنْثٰی: یا مؤنث	بَعْضُكُمْ: تم میں سے بعض
مِّنْ بَعْضٍ: بعض سے ہیں	فَالَّذِیْنَ: پس وہ لوگ جنہوں نے
هَاجَرُوْا: ہجرت کی	وَاُخْرِجُوْا: اور جو نکالے گئے
مِنْ دِیَارِهِمْ: اپنے گھروں سے	وَاُوْذُوْا: اور جن کو اذیت دی گئی
فِیْ سَبِیْلِیْ: میرے راستے میں	وَقٰتَلُوْا: اور جنہوں نے جنگ کی
وَقُتِلُوْا: اور قتل کیے گئے	لَاُكَفِّرَنَّ: تو میں لازماً دور کروں گا
عَنْهُمْ: ان سے	سَیِّاٰتِهِمْ: ان کی برائیوں کو
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ: اور میں لازماً داخل کروں گا ان کو	جَنّٰتٍ: ایسے باغات میں
تَجْرِیْ: بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا: جن کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ: نہریں	ثَوَابًا: بدلہ ہوتے ہوئے

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ : اللہ کے پاس سے	وَاللّٰهُ : اور اللہ
عِنْدَهٗ : اس کے پاس ہی	حُسْنُ الثَّوَابِ : اچھا بدلہ ہے
لَا يَغُرَّنَّكَ : ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ : ان لوگوں کا گھومنا پھرنا جنہوں نے
كَفَرُوْا : کفر کیا	فِي الْبِلَادِ : شہروں میں
مَتَاعٌ قَلِيْلٌ : (یہ) تھوڑا سا سامان ہے	ثُمَّ : پھر
مَاْوٰهُمْ : ان کی منزل	جَهَنَّمُ : جہنم ہے
وَبِئْسَ : اور (وہ) کتنا برا	الْمِهَادُ : ٹھکانہ ہے

آیات ۱۹۸ تا ۲۰۰

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ر ب ط

رَبَطَ (ض) رَبْطًا : کسی چیز کو مضبوطی سے باندھنا، مضبوط کرنا۔ ﴿وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝﴾ (الانفال) ''تاکہ وہ مضبوط کرے تمہارے دلوں کو اور وہ جما دے اس سے قدموں کو۔''

رِبَاطٌ (اسم ذات بھی ہے) : وہ چیز جسے مضبوط کیا گیا ہو، کسی کام کے لیے تیار کیا گیا ہوا۔ ﴿مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (الانفال: ۶۰) ''قوت میں سے اور تیار کیے ہوئے گھوڑوں میں سے۔''

رَابَطَ (مفاعلہ) مُرَابَطَةً اور رِبَاطًا : مقابلہ میں ہمیشگی کرنا، ہمیشہ تیار رہنا۔

رَابِطْ (فعل امر) : تو مقابلے میں ہمیشہ مضبوط رہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترجمہ:

لٰكِنِ : لیکن	الَّذِيْنَ : وہ لوگ جنہوں نے
اتَّقَوْا : تقویٰ اختیار کیا	رَبَّهُمْ : اپنے ربّ کا
لَهُمْ : ان کے لیے ہی	جَنّٰتٌ : ایسے باغات ہیں
تَجْرِيْ : بہتی ہیں	مِنْ تَحْتِهَا : جن کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ : نہریں	خٰلِدِيْنَ : ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہیں

فِيْهَا :ان میں
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ :اللہ کے پاس سے
عِنْدَ اللّٰهِ :اللہ کے پاس ہے
لِّلْاَبْرَارِ :نیک لوگوں کے لیے
مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ:اہل کتاب میں وہ بھی ہیں
يُؤْمِنُ :ایمان لاتے ہیں
وَمَآ :اوراس پر جو
اِلَيْكُمْ :تم لوگوں کی طرف
اُنْزِلَ :نازل کیا گیا
خٰشِعِيْنَ:عاجزی کرنے والے ہوتے ہوئے
لَا يَشْتَرُوْنَ :وہ لوگ نہیں خریدتے (یعنی نہیں حاصل کرتے)
ثَمَنًا قَلِيْلًا :تھوڑی قیمت
لَهُمْ :جن کے لیے
عِنْدَ رَبِّهِمْ :ان کے رب کے پاس
اللّٰهَ :اللہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ :اے لوگو! جو
اصْبِرُوْا :تم لوگ ثابت قدم رہو

وَرَابِطُوْا:اور مقابلے میں ہمیشہ مضبوط رہو
اللّٰهَ :اللہ کا
تُفْلِحُوْنَ :تم لوگ مراد حاصل کرو

نُزُلًا :مہمان نوازی ہوتے ہوئے
وَمَا :اور جو
خَيْرٌ :(وہ) بہتر ہے
وَاِنَّ :اور بے شک
لَمَنْ :یقیناً جو
بِاللّٰهِ :اللہ پر
اُنْزِلَ :نازل کیا گیا
وَمَآ :اوراس پر جو
اِلَيْهِمْ :ان لوگوں کی طرف
لِلّٰهِ :اللہ کے لیے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ :اللہ کی آیتوں کے بدلے

اُولٰٓئِكَ :وہ لوگ ہیں
اَجْرُهُمْ :ان کا اجر ہے
اِنَّ :یقیناً
سَرِيْعُ الْحِسَابِ :حساب لینے میں جلدی کرنے والا ہے

اٰمَنُوْا :ایمان لائے
وَصَابِرُوْا :اور مدمقابل سے زیادہ ثابت قدمی دکھاؤ
وَاتَّقُوا :اور تقویٰ اختیار کرو
لَعَلَّكُمْ :شاید کہ

تمت سورة آل عمران

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین ہدایات

مدرّس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ :

((لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ)) (رواہ ابوداؤد و احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو اور میری قبر کو میلہ نہ بنالینا' ہاں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کرنا' تم جہاں بھی ہوگے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔''

اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو فتح خیبر ۷ھ میں ایمان لائے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی رفاقت کا زمانہ تین ساڑھے تین سال کا ہے۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور ان کی واحد دلچسپی رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کرنا تھی۔ اس راستے میں انہوں نے شدید بھوک' پیاس اور مسلسل فاقے برداشت کیے۔ اس عزیمت پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو خصوصی دعاؤں سے نوازا۔ اگرچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں بہت تھوڑا وقت گزارا مگر ان کی مرویات کی تعداد کتب احادیث میں سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے جلیل القدر صحابہ اس خوف کے پیش نظر حدیث نہیں بیان کرتے تھے کہ کہیں الفاظ میں کمی بیشی نہ ہو جائے' چنانچہ وہ صرف وہی احادیث بیان کرتے تھے جن کے متعلق انہیں اپنے حافظے پر پورا یقین ہوتا تھا۔ مگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے حافظے پر پورا اعتماد تھا۔ اس سلسلہ میں وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے حافظے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: ابوہریرہؓ اپنی چادر پھیلاؤ۔ میں نے چادر پھیلا دی۔ اس پر آپؐ نے کچھ پڑھا۔ پھر آپؐ کے حکم سے میں نے چادر کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس دن کے بعد سے میں کبھی آپ کی کوئی بات نہیں بھولا۔ یہی میری کثرتِ روایت کا سبب ہے۔ اس جاں نثار اور فدا کار صحابیؓ کے ساتھ آپؐ کو بھی بڑی محبت تھی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بلی تھی جسے وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ابوہریرہؓ کی گود میں بلی دیکھی تو پیار سے انہیں ابوہریرہ (بلی کا باپ) فرما دیا۔ پس آپ کا دیا ہوا یہ نام ایسا مشہور و مقبول ہوا کہ ان کے اصل نام عبدالرحمٰن بن صخر کی جگہ اس کنیت نے لے لی۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی یہ کہ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کو اللہ کے ذکر سے معمور رکھنا۔ تلاوتِ قرآن اور نماز سب سے بڑا ذکر ہیں۔ قبرستان میں تو فوت شدہ لوگ ہوتے ہیں جو اس دارالعمل سے کوچ کر کے دارالآخرت میں پہنچ گئے ہیں۔ اب وہ وہاں نہ ذکر اذکار کر سکتے ہیں اور نہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ پس جس گھر میں اللہ کا ذکر اور نماز کا اہتمام نہیں ہوتا وہ قبرستان کی ایک قبر کی مانند ہے۔ اس فرمانِ رسولؐ میں مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ذکر اذکار کریں اور نماز پڑھیں۔ فرض نمازیں تو بہرحال مسجد میں جا کر باجماعت ادا کرنا لازم ہے' لیکن سنن و نوافل گھروں میں ادا کرنے افضل ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ وہ فرضوں سے پہلے کی سنتیں گھروں میں ادا کرتے تھے اور فرض کی ادائیگی کے لیے مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔ فرضوں کے بعد کی سنتیں بھی اپنے گھروں میں ادا کرتے۔ چونکہ نفلی نمازوں میں اخفا پسندیدہ ہے اس لیے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر ان کا پڑھنا بہتر ہے تاکہ ان میں ریا کا ذرّہ بھی شامل نہ ہو اور یہ عبادت خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ کی دوسری ہدایت یہ ہے کہ میری قبر کو عید نہ بنانا۔ یعنی جس طرح لوگ سال کے کسی معیّن دن عرس اور میلے کا اہتمام کرتے ہیں اس طرح کا کوئی میلہ یا عرس میری قبر پر منعقد نہ کرنا۔ عید وہ دن ہے جو سال میں ایک مقررہ تاریخ کو آتا ہے اور اس دن خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ عید اور عرس کا مفہوم ایک ہی ہے۔ آج عرس کے نام پر جو تقریبات منعقد ہوتی ہیں' قبروں پر میلے لگتے ہیں' قبروں کا طواف کیا جاتا ہے' وہاں نذر و نیاز اور منتیں مانی جاتی ہیں اور دوسری غیر سنجیدہ خرافات دیکھنے میں آتی ہیں ان کی اسلام جیسے دین حق میں کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ قبرستان کی زیارت اور وہاں مدفون لوگوں کے حق میں دعائے مغفرت کی تلقین ضرور ہے۔ یہ بات جہاں فوت شدگان کے لیے انتہائی مفید ہے وہاں زائرین کے لیے بھی اجر و ثواب کا باعث ہے۔ نیز مسنون طریقہ سے زیارتِ قبور موت کی یاد دلاتی' نیک عمل کا داعیہ پیدا کرتی اور گناہوں سے دُور رہنے کا سبق دیتی ہے۔

تیسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ مجھ پر دَرود پڑھا کرو۔ درود مسلمان کے لیے بہت بڑا تحفہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے محسن ہیں' ان کی وجہ سے آج ہم مسلمان ہیں۔ اسلام بہت بڑی نعمت ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین و مذہب اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔ اللہ کا پسندیدہ اور مقبول دین رسول اللہ ﷺ ہی کے ذریعے ہمیں ملا ہے۔ تو اس احسان کے بدلہ میں ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم اللہ کے حضور رسول اللہ ﷺ کے حق میں دعا گو ہوں۔ اسی دعا کا نام درود ہے۔ درود شریف کے الفاظ خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھا دیے۔ تھوڑے تھوڑے الفاظ کے فرق کے ساتھ یہ درود شریف کتب احادیث میں منقول ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ فضیلت درودِ ابراہیمی کی ہے جو نماز میں شامل کیا گیا ہے۔ پھر درود شریف کے فوائد میں ایک تو یہ ہے کہ اُمتی درود پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے حق میں اللہ سے رحمت کی دعا کرتا ہے' جو بڑی فضیلت کی بات اور کسی حد تک رسول اللہ ﷺ کے احسان کا اعتراف و اقرار ہے۔ دوسرے درود پڑھنے والے کو رسول اللہ ﷺ نے عظیم اجر و ثواب کی خوشخبری سنائی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ

خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ)) (رواہ النسائی واحمد)

''میرا جو اُمتی خلوص دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے' اُس کے دس گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کر دیتا ہے۔''

گویا درود شریف ایسا وظیفہ ہے جو نیکیوں میں اضافے اور گناہوں کو مٹانے کا سبب ثابت ہوتا ہے۔ ہر اہل ایمان چاہے جتنا بھی نیکوکار اور متقی ہو وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بموجب اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ہر اُمتی کو بخشش اور مغفرت کے لیے اللہ کی رحمت کی حاجت ہے اور اُس کی یہ ضرورت درود شریف پڑھنے سے پوری ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نماز کے آخری قعدے میں درود پڑھنا مقرر کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے اس فضل و کرم سے ہر نماز پڑھنے والا مستفید ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کا درود شریف کے ساتھ خصوصی تعلق واضح ہے۔ لہٰذا کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنے والے کو رسول اللہ ﷺ کا خاص قرب نصیب ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَوْلَى النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً)) (رواہ الترمذی)

''قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین میرا وہ اُمتی ہو گا جو مجھ پر زیادہ صلوٰۃ بھیجنے والا ہو گا۔''

درود شریف وہ وظیفہ ہے جس کے لیے کوئی وقت اور جگہ مقرر نہیں۔ ہر اُمتی اپنے حالات اور مصروفیت کے مطابق درود شریف کے لیے وقت مقرر کر سکتا ہے۔ جب بھی اور جہاں بھی رسول اللہ ﷺ پر آپ کا اُمتی درود شریف پڑھے گا اُس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دی جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے اُس کو میں سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجے وہ میرے پاس پہنچایا جاتا ہے۔'' (رواہ البیھقی فی شعب الایمان' بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح)

بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ تک درود شریف پہنچانے والا فرشتہ صلوٰۃ و سلام بھیجنے والے اُمتی کا نام اس کی ولدیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتا ہے' یعنی وہ کہتا ہے: ''**یَا محمد صَلّٰی علیك فُلَانُ بنُ فُلَان**''۔ اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ درود شریف پڑھنے والے کا ذکر محبوبِ خدا کی بارگاہ میں نام بنام ہو جائے۔ زیر درس حدیث میں بھی جہاں رسول اللہ ﷺ نے درود پڑھنے کی ترغیب دی ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچ گی۔

اُمتیوں کو یہ حکم ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کا نام سنیں یا پڑھیں تو آپ پر درود شریف پڑھیں۔ چنانچہ مسلمانوں کا یہ معمول ہے کہ جب بھی وہ رسول اللہ ﷺ کا نام سنتے ہیں تو ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بخیل کہا ہے جس کے سامنے آپؐ کا نام لیا جائے مگر وہ درود نہ پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْبَخِيْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ)) (رواہ الترمذی واحمد)

''بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

((رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ)) (رواہ الترمذی واحمد)

''اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

چونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نبی کریم ﷺ پر دَرود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے اس لیے جب اللہ کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائیں اور اُس کے ساتھ دَرود بھی پڑھیں تو یہ دُعا کی مقبولیت کا باعث ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْهُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّكَ)) (رواہ الترمذی)

''دُعا آسمان اور زمین کے درمیان رُکی رہتی ہے' اوپر نہیں جاسکتی' جب تک کہ تم اپنے نبی مکرم ﷺ پر درود نہ بھیجو۔''

زیر درس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے گھروں میں سنن ونوافل پڑھنے کو معمول بنایا جائے تاکہ گھر میں خیر و برکت کا دور دورہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر عرس اور میلہ نہ لگانے کا حکم ہے۔ وہاں تو یہ کام نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کی اطاعت میں یہ بھی شامل ہے کہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کے مزارات کا تقدس بھی غیر سنجیدہ اجتماعات کے ساتھ مجروح نہ کیا جائے۔ ہاں کرنے کا کام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود وسلام پڑھا جائے جس سے نیکیاں حاصل ہوں اور گناہ مٹتے جائیں اور اللہ کے فرمان پر عمل بھی ہو جائے۔ درود شریف کے ضمن میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ صرف مسنون درود پر اکتفا کیا جائے' کیونکہ وہی الفاظ آپؐ کے شایانِ شان اور بھروسہ کے قابل ہیں اور جملہ فیوض و برکات اسی میں ہیں۔ دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے دَرود پر نہ بشارتیں ہیں اور نہ ہی اُن پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ oo

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 25 روپے

ڈاکٹر اسرار احمدؒ — فعّال شخصیت

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر☆

ہم نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو بعض دفعہ بہت قریب سے اور بہت دفعہ قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے ساتھ بعض مواقع پر تبادلۂ خیال بھی کیا۔ لوگ ان کو محض ایک عالم دین ہی خیال کرتے رہے۔ وہ کسی مدرسے سے نہیں بلکہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے فارغ التحصیل ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے۔ علمِ طب کی تعلیم مکمل کر چکنے کے بعد انہوں نے کراچی یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے ایم اے اسلامیات کی ڈگری بھی حاصل کی۔ انہوں نے اپنا کلینک بھی بنایا' پریکٹس کی' لیکن اپنے طبعی میلان کے تحت دین کی اشاعت وتبلیغ کو زندگی کا ہدف قرار دیا اور جسمانی امراض کے علاج کے ساتھ ساتھ روحانی بیماریوں کے علاج کی طرف زیادہ توجہ دی۔ ان کا یہ ہدف ان کی زندگی پر اتنا غالب آیا کہ لوگ ان کو ایم بی بی ایس ڈاکٹر سمجھنے کی بجائے اسلامی علوم کا ڈاکٹر ہی خیال کرنے لگے۔

یہ ۱۹۶۵ء کی بات ہے' انہوں نے کرشن نگر کے علاقہ میں اپنا کلینک قائم کیا تھا۔ ہمارے ایک دوست شیخ سعید صاحب ایم بی بی ایس کے طالب علم تھے۔ ہم دونوں اُن سے ملنے اُن کے مطب گئے۔ اُس وقت ڈاکٹر اسرار صاحب کا عنفوانِ شباب تھا اور وہ جماعت اسلامی سے تازہ تازہ علیحدہ ہوئے تھے اور کچھ کر گزرنے کی ذہنی کشمکش میں تھے۔ اسی دوران ہماری ملاقات ان سے ہوئی۔ پہلی ملاقات تھی' وہ ہمیں جانتے نہ تھے' ہم نے بھی صرف ان کا نام ہی سن رکھا تھا' اس لیے ملاقات میں بہت زیادہ گرمجوشی نہ تھی۔ ان کے دیکھنے کا انداز بڑا بارعب تھا' جس کی وجہ سے اس ملاقات میں اپنائیت بھی پیدا نہ ہو سکی۔ تاہم یہ محسوس ہوا کہ وہ دینی درد رکھنے والے انسان ہیں اور دین کو غالب کرنے اور دین کو غالب دیکھنے کی تمنّا ان کے اندر بدرجہ اتم موجود ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے بھرپور زندگی گزاری۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو اللہ کی امانت خیال کیا اور پوری زندگی میں لمحہ بھر کے لیے بھی بیکار نہ بیٹھے۔ ہر لمحے کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے یا اعلائے کلمۃ اللہ کی سوچ کے لیے وقف رکھا۔ اپنی اولاد تک میں اس فکر کو اس طرح سمو دیا جس طرح ڈاکٹر انجکشن کے ذریعے دوائی کا ایک ایک قطرہ مریض کے جسم میں داخل کر دیتا ہے۔ وہ پیشہ کے اعتبار سے ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے لیکن انہوں نے قوم کے جسمانی علاج کی بجائے روحانی علاج کی جانب زیادہ توجہ دی۔ کیونکہ روحانی بیماریاں قوم کو فکری فالج میں مبتلا کرتی ہیں' جس سے قوموں کی اجتماعی فکری ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے۔ عام جسمانی امراض کا اثر زیادہ نہیں ہوتا اور جسمانی امراض سے اموات کا دائرہ بھی محدود رہتا ہے' جبکہ فکری ہلاکت

☆ مدیر ماہنامہ التجوید' فیصل آباد

پوری قوم بلکہ نسلوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب شروع ہی سے تحریکی ذہن رکھتے تھے۔ وہ ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ شعور کی آنکھ کھولی تو پورے ہندوستان میں آزادی کی تحریکوں کا زور دیکھا۔ مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کے قیام کے لیے سرگرم عمل تھی، جس کے سربراہ قائداعظم محمد علی جناح تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ان کی فکر سے متاثر ہوئے اور مسلمان طلبہ کی تنظیم مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں شامل ہوئے اور تحریک پاکستان کے لیے کام شروع کیا۔ ملک میں دیگر تحریکیں بھی آزادی کے لیے سرگرم عمل تھیں۔ قرائن بتاتے ہیں کہ ان کا ذہن ان تحریکوں سے بھی متاثر ہوا۔

تشکیلِ پاکستان کے بعد وہ ''مقصد تشکیل پاکستان'' کے لیے سرگرم عمل ہوئے اور ملک میں اسلامی نظام کے قیام کو زندگی کا ہدف قرار دیا۔ اس حوالے سے وہ مولانا مودودیؒ کے قریب ہوئے۔ یہ زمانہ چونکہ طالب علمی کا تھا' اس لیے وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم رکن بن گئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد انہوں نے باقاعدہ جماعت اسلامی کی رکنیت اختیار کی۔ ان کی طبیعت میں ایک بڑا وصف یہ تھا کہ جس بات کو درست خیال کرتے اس کا برملا اظہار کرتے۔ لکیر کی فقیری کرتے ہوئے آگے بڑھنا ان کی زندگی میں نہ تھا۔ جماعت اسلامی نے جب اجتماعی طور پر جمہوری انتخابی سیاست میں قدم رکھنے اور مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تو ڈاکٹر اسرار احمد نے اس سے اختلاف کیا۔ ان کے نزدیک یہ جمہوری نظامِ سیاست' اسلامی نظامِ سیاست سے مختلف تھا۔ انہوں نے جماعت اسلامی کے حلقوں میں اپنی رائے کا کھل کر اظہار کیا۔ جب دیکھا کہ ان کی بات وہاں بے وزن ہے تو انہوں نے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ذہن چونکہ تحریکی تھا' اس لیے اپنے نظریات کو فروغ دینے کے لیے تنظیم اسلامی کے نام سے نئی جماعت کی بنیاد ڈالی۔

ڈاکٹر صاحب فکری اعتبار سے دیوبندی مسلک کے قریب تھے۔ ان کا ضمیر علمائے دیوبند کی فکر سے ہم آہنگ تھا لیکن طبیعت کے اندر فکری تنوع اور جولانی موجود تھی۔ انہوں نے اپنی سوچ کو جمود کا شکار کبھی نہ ہونے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ رفع یدین کے قائل اور فاعل بھی ہوئے۔ تاہم دیوبندی علماء کے سرخیل استاذ الاستاذہ مولانا محمود حسنؒ کی فکر ان کے ذہن کا حصہ تھی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو شریفِ مکہ نے گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کیا۔ آپ پر مصر میں مقدمہ چلا اور آپ کو بغاوت کے جرم میں مالٹا میں قید کر دیا گیا۔ تقریباً تین برس قید کی سزا ہوئی۔ اس دوران وہ مسلمانوں کی نکبت و ادبار کے اسباب پر غور کرتے رہے اور ان کی بہتری اور اصلاح احوال کے ذرائع سوچتے رہے۔ رہائی کے بعد انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے ادبار کا بڑا سبب قرآنی فہم سے دوری ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی بقیہ ساری زندگی قرآنی فہم کو عام کرنے میں صرف کر دی اور دہلی اور مضافات میں جگہ جگہ دروسِ قرآنی کے حلقے قائم کیے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اسی فکر کے امین تھے۔ ان کا خیال بھی یہی تھا کہ قرآن فہمی کے حلقے زیادہ سے زیادہ قائم کیے جائیں۔ اس کے لیے انہوں نے رجوع الی القرآن کی تحریک جاری کی اور دروسِ قرآن کے سلاسل کی بنا ڈالی۔ لاہور کے قرب و جوار میں خود دروسِ قرآن دیتے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے دروس کی بنیاد پر ایسے شاگرد پیدا کر لیے جو خود درسِ قرآن کی صلاحیت کے حامل تھے۔ ایسے افراد کو انہوں نے پاکستان کے مختلف شہروں میں دروسِ قرآن کی ذمہ داریاں سونپیں۔ ان کی کوشش ہی سے تنظیم اسلامی کی شاخیں

پاکستان کے مختلف شہروں میں بھی قائم ہوئیں۔ ان شاخوں نے مثبت خدمات انجام دیں اور دے رہی ہیں۔

جماعت اسلامی کا ایک المیہ یہ ہے کہ یہ جماعت بڑی محنت سے محرک اور متحرک رجال تیار کرتی ہے۔ جماعت کی تربیت ہی سے ان میں کچھ کرنے اور کچھ کر گزرنے کے جذبات جنم لیتے ہیں اور ان کے اندر تحریکی صلاحیتیں بھی بدرجہ اتم پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن جانے کیا وجہ ہے کہ اس کاشت کا پھل جماعت اسلامی کو کبھی نہیں ملا اور بیشتر اذہان ایسے عالم میں جماعت کو خیرباد کہہ گئے جب پھل پک کر جھولی میں گرنے ہی والا ہوا تھا۔ اس طرح جماعت اپنی محنت کا پھل لینے سے محروم ہی رہی۔ ماچھی گوٹھ کا اجتماع اس کی بنیاد ہے، جس میں بڑے بڑے اکابر نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی۔ پھر بعد میں بھی بہت سے لوگ علیحدہ ہوئے۔ مثلاً مولانا کوثر نیازی مرحوم نے تربیت تو مولانا مودودیؒ سے حاصل کی اور اس کا پھل پاکستان پیپلز پارٹی کے حصہ میں آیا۔ ان کی ساری صلاحیتوں کا فائدہ سیکولر نظام کی داعی پیپلز پارٹی نے اٹھایا۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اگر پیپلز پارٹی کو مولانا کوثر نیازی جیسے باصلاحیت شخص کا کندھا نہ ملتا تو پیپلز پارٹی کبھی وہ مقام حاصل نہ کر پاتی جو اس کو مولانا کی وجہ سے مذہبی طبقے میں حاصل ہوا۔ بعض لوگ راوی ہیں کہ جب مولانا کوثر نیازی پیپلز پارٹی کے ہم سفر ہوئے تو کسی نے مولانا مودودیؒ سے کہا: ''مولانا کوثر نیازی آپ کے پروردہ تھے۔ ان کی شخصیت سازی میں آپ کا حصہ ہے، جب ان سے کام لینے کا وقت آیا تو وہ آپ کو چھوڑ کر پیپلز پارٹی میں چلے گئے۔ آپ کی تربیت میں کمی تھی یا ان کا ظرف چھوٹا تھا؟'' بڑے لوگوں کی بڑی باتیں، مولانا نے بات سنی تو بولے: ''کوثر نیازی کو ہم نے چیتھڑا سمجھ کر پھینکا تھا، انہوں نے عمامہ بنا لیا''۔ اپنے اپنے ظرف کی بات ہے۔

اختلافِ فطرت کا حصہ ہے۔ مولانا کوثر نیازی جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے تو منزل چھوڑ، نشانِ منزل کو بھی بھلا بیٹھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے تو ہدف کو نہ بھولے، منزل کو سامنے رکھا، نشانِ منزل سے بھی نہ بھٹکے اور ایسی جماعت چھوڑ گئے جو ان کے مشن کو جاری رکھنے کا عزم لیے ہوئے ہے آج نہیں تو کل منزل تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی جائے گی۔

اتباعِ سنت کا اہتمام عمر بھر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا حصہ رہا۔ دین کے غلبہ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا داعیہ ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ وہ اسی کے لیے زندہ رہے اور زندگی کے آخری سانس تک انہوں نے اپنے اس مشن کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ اپنی زندگی کی آخری رات بھی آخری پہر تک دینی کتب کا مطالعہ کرتے رہے اور جانِ جاں آفریں کے سپرد کر دی ع ''کسی کو خبر نہ ہوئی کون تھا کہاں چلا گیا!'' اور وہاں چلے گئے جہاں سب نے جانا ہے، جا کر واپس نہیں آنا۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد کا جانا کسی ایک کا جانا نہیں، پوری قوم کا مردہ ہو جانا ہے۔ موت اگر گھر کے آنگن میں آئے تو ایک ہی مرتا ہے لیکن اگر کسی نابغہ روزگار کے دروازے پر دستک دے تو ایک نہیں پوری قوم کا جنازہ اٹھتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اپنے لیے نہیں بلکہ پوری قوم کے لیے جیتے تھے۔ ان کی زندگی علامہ اقبال کے اس شعر کا مرقع تھی ؎

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومیؒ کبھی پیچ و تابِ رازیؒ!

ڈاکٹر اسرار احمد کی پون صدی پر محیط زندگی کا جب ہم مجموعی جائزہ لیتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ وہ ایک آدمی نہیں بلکہ پوری اکادی تھے۔ کئی لوگ مل کر بھی وہ کام نہیں کر سکتے جیسا اس اکیلے شخص نے سرانجام دیا۔ ان کی خواہش تھی کہ اللہ کی عطا کردہ حیاتِ مستعار اللہ ہی کے راستہ میں کام آئے۔ ان کا قرب رکھنے والے شاہد ہیں کہ وہ اپنی تقریر کے آغاز میں یا کسی تقریب کے اختتام پر یہ دعا ضرور کرتے تھے: ''اے اللہ! تو مجھے اپنے راستے میں شہادت کی موت عطا کر۔''

ہم جب بھی ان سے ملے' انہیں ہمیشہ دین کے لیے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتا پایا۔ اس کے لیے انہوں نے ایسی شخصیتوں سے رابطے قائم کیے جو اسی فکر کی حامل تھیں۔ وہ اقبال سے متاثر تھے۔ زندگی کے آخری برسوں میں فکرِ اقبال کا غلبہ ان کے ذہن پر مستولی تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی زندگی کا بڑا وصف یہ تھا کہ وہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے معاملے میں کبھی سمجھوتہ کے قائل نہ ہوئے۔ جس بات کو حق سمجھا' برملا کہا۔ نتائج کی بھی پروا نہ کی۔ جس بات کو غلط خیال کیا' ہر چہ باداباد اس کا اظہار بھی علی الاعلان کیا۔ محرم کے مہینہ میں شادی بیاہ ایک طبقہ کے نزدیک درست نہیں۔ ان کی رو میں کچھ اہل السنّت نے بھی یہی روش اختیار کرنا شروع کی اور محرم میں شادی کو عملاً برا خیال کرنے لگے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا کہنا یہ تھا کہ جس بات کی سند کتاب وسنت میں نہ ملے' اس کا رواج چہ معنی؟ وہ اس بات کو غلط سمجھتے تھے کہ محرم میں شادی بیاہ کو حرام خیال کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے کی شادی محرم ہی میں کی اور مثال قائم کی کہ جو کچھ کتاب وسنت میں نہیں وہ شریعت نہیں اور اس کو اعتقادات کا حصہ بنانا بداعتقادی ہے۔ اس پر انہیں قتل کی دھمکیاں بھی ملیں مگر انہوں نے ان دھمکیوں کو برپشمِ قلندر کہہ کر اس طرح نظرانداز کر دیا جس طرح کوئی قلم کار ردّی کاغذ کی تحریر کو ردّی کی ٹوکری میں پھینکتا ہے۔

ایک مرتبہ کرکٹ کے کھیل کو انہوں نے خلافِ شریعت کہا۔ بڑے بڑے قلم کاروں نے قلم کاریاں کیں حتیٰ کہ لتے تک لیے۔ ایک بڑے قلم کار نے ان کے خلاف مضمون لکھا' عنوان باندھا: ''دین ملا فی سبیل اللہ فساد''۔ اُس نے کہی ان کہی سب کہی۔ ڈاکٹر صاحب نے السکوت سلامۃ کی روش اپنائی اور ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان) پر عمل کیا۔

وہ نظامِ خلافت کے علمبردار تھے اور جہاد پر بیعت لیتے تھے۔ وہ فکرِ اصلاحی سے بھی متاثر ہوئے۔ مولانا امین احسن اصلاحی سے بہت قریب کا تعلق قائم ہوا۔ ان کے توسط سے فکرِ فراہی کو سمجھا' پرکھا۔ مولانا اصلاحی سے اختلاف بھی کیا' موافقت بھی رکھی۔ جہاں اختلاف ہوا' بھرپور اظہار کیا۔ اس اختلاف سے کبھی کبھی مولانا طبعاً چیں بجبیں ہوئے۔ یہ چیں بجبینی سیخ پائی تک بھی پہنچ جاتی' جس کا اظہار کبھی قلم سے بھی کرتے۔ ایک مرتبہ تو یہاں تک کہہ بیٹھے کہ لڑکا دین میں کوئی نیا گل کھلائے گا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے ہمیشہ مولانا کے مقام ومرتبہ کا خیال کیا۔ اظہارِ اختلاف کے لیے کبھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

ڈاکٹر اسرار کی طبیعت جلالی تھی۔ آنکھیں بارعب تھیں۔ دیکھنے والے کے لیے تاب لانا مشکل ہوتا۔ آواز

میں گرج اور دبدبہ تھا۔ دین کے غلبہ کے حوالے سے بات کرتے تو یہ دبدبہ دوبالا ہو جاتا۔ اپنی بات کو پورے اعتماد سے کرتے کہ سننے والا فوراً متاثر ہوتا تھا۔

اتباعِ سنّت کا اہتمام بہت زیادہ کرتے۔ اسی جذبہ کے تحت متانت وسنجیدگی کا مظاہرہ کرتے۔ کھلکھلا کر نہ ہنستے بلکہ مسکراتے۔ صرف ایک موقع پر میں نے ان کو خوب کھل کر ہنستے دیکھا۔ یہ موقع ہی ایسا تھا کہ تقریب میں شریک کوئی شخص بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ مرکزیہ مجلس اقبال کا اجلاس لاہور کے کسی ہال میں ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سٹیج پر بیٹھے تھے' دیگر زعماء بھی موجود تھے۔ معروف ادیب وقلم کار عطاء الحق قاسمی اپنی لکھی تقریر پڑھ رہے تھے۔ سیاق وسباق اب ذہن میں نہیں' انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بچہ گلی کی نکڑ پر کھڑا رو رہا تھا۔ ایک بزرگ وہاں سے گزرے' ان کو اس بچے پر ترس آیا۔ پاس گئے' پوچھا بیٹا تم کیوں رو رہے ہو؟ بچہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولا' میری امّی اور ابّو کا آپس میں سخت جھگڑا ہو رہا ہے۔ بزرگ نے پوچھا' تمہارے ابو کون ہیں؟ بچہ بولا' جھگڑا اسی بات پر تو ہو رہا ہے۔ یہ جملے سنتے ہی سٹیج پر بیٹھے سب اکابر اور جملہ سامعین میں سے کون تھا جو اپنی ہنسی ضبط کر سکتا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنی فکر اور سوچ کو قلمی گرفت میں لانے کی بھی کوشش کی۔ ان کی چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں ہیں جو ان کی فکر کی حامل ہیں۔ ان کی نگرانی میں کئی جرائد بھی شائع ہوتے رہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ماہنامہ ''میثاق'' کی ادارت سنبھالی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی سرپرستی میں اس ماہنامے کو مزین کرتے رہے۔ پھر ''حکمتِ قرآن'' جاری کیا جو پہلے ماہنامہ تھا' پھر سہ ماہی ہوا۔ ''ندائے خلافت'' کے بھی ایڈیٹر رہے۔ ان قلمی کاوشوں کے علاوہ ان کے انتہائی بھرپور علمی وفکری مضامین ملک کے بڑے بڑے اخبارات اور جرائد کی زینت بھی بنتے رہے۔ بسا اوقات اہلِ قلم کی طرف سے ان کے لکھے گئے کالموں اور مضامین پر شدید گرفت ہوتی تھی۔ بعض تو ایسی گرفت کرتے کہ شرافت کا دامن بھی چھوٹتا نظر آتا' لیکن ڈاکٹر اسرار احمد ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ!

پر عمل کرتے رہے۔ ان کی تحریریں' ان کی تقریریں ان کے علمی کام مستقل تحقیق کا موضوع ہیں' جو محققین' اہلِ علم اور اہلِ قلم کے منتظر ہیں۔ اس تحقیق وتجسّس سے اُمت مسلمہ اپنے لیے جلا حاصل کرتی رہے گی۔

ڈاکٹر صاحب علم اور علماء کے شناور تھے۔ قرآن فہمی اور رجوع الی القرآن کے حوالے سے رجال کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تلاش کرتے رہے۔ ان کو اپنے عمل میں شریک کرنے کی کوشش فرماتے۔ ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتے۔ اس معاملے میں انہیں اس بات کی پروانہ ہوتی تھی کہ ان کا مدعو علم اور مقام ومرتبہ کی وجہ سے ان سے سبقت لے جائے گا اور ان کی شخصیت اس کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کر جائے گی۔ انہوں نے اس ضمن میں بہت سے لوگوں کو ساتھ ملایا اور ان کے کندھے سے تحریک کو آگے بڑھانے کا کام لیا۔ رجوع الی القرآن جیسا عظیم مقصد حاصل کرنے میں اپنا کندھا ان کو دیا اور مثبت نتائج حاصل کرنے کی سبیل پیدا کی۔

حافظ احمد یار مرحوم بڑے عالم آدمی تھے۔ علماء جیسا انکسار اور تواضع ان کی زندگی کا حصہ تھا۔ پنجاب یونیورسٹی شعبہ علوم اسلامیہ میں قرآن کے استاد تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی عقابی نظروں نے ان کے اندر جوہر قابل کو پہچان لیا۔ ان کے قریب ہوئے' انہیں اپنے قریب کیا۔ مزید قریب کرنے کے لیے اپنی تحریک کے مقاصد ان کے سامنے رکھے۔ حافظ صاحب بھی خدمت کا جذبہ رکھنے والے انسان تھے۔ فکری ہم آہنگی کے ہاتھوں مجبور ہوئے اور کندھا دینے کا عہد کیا۔ حافظ صاحب نے علمی کام کے لیے ایک انتہائی اچھوتا موضوع تلاش کیا جو پچھلی چودہ صدیوں میں بالکل ہی منفرد تھا۔ ان کا کام رسم قرآنی کے حوالے سے تھا جس پر ماضی میں کام نہ ہونے کے برابر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے اہلِ علم' علم الرسم سے نابلد رہے۔ حافظ احمد یار کے تحقیقی کام کی اقساط ماہنامہ ''حکمت قرآن'' میں شائع ہوتی رہیں' لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور حافظ احمد یار سورۃ البقرۃ بھی مکمل نہ کر پائے تھے کہ وقتِ اجل آ گیا۔ اگر ڈاکٹر اسرار احمد' حافظ احمد یار مرحوم سے یہ خدمت لینے کی سعی نہ کرتے تو یہ تحقیقی اور علمی کام مستور ہی رہتا۔ شروع میں تو حافظ احمد یار قرآن اکیڈمی میں آتے' کام کرتے اور چھٹی کے وقت گھر چلے جاتے۔ لیکن جب ڈاکٹر صاحب نے محسوس کیا کہ پیرانہ سالی کے سبب حافظ احمد یار صاحب کا قرآن اکیڈمی آنا مشکل ہے تو انہوں نے حافظ صاحب سے کہا کہ آپ گھر ہی رہا کریں اور وہیں پر قلمی و تحقیقی کام کریں' ماہانہ حق الخدمت پیش کرتا رہوں گا۔ حافظ صاحب نے پیشکش قبول کر لی' آپ گھڑی دیکھ کر پورا وقت کام کرتے اور قلمی کام بروقت ڈاکٹر اسرار احمد کو پہنچاتے۔ حافظ احمد یار مرحوم کا انتقال ہوا تو ڈاکٹر اسرار اس طرح روئے جس طرح کوئی معصوم بچہ کھلونا گم ہو جانے پر احتجاجی گریہ کرتا ہے۔

وہ عموماً کہتے کہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھو۔ ہر ایک کو دیکھو' ہر ایک کو سن کر اپنی رائے قائم کرو۔ کسی کی بالکل نہ سننا اور اپنی رائے پر اصرار کرنا درست رویہ نہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے بھرپور زندگی گزاری اور بامقصد گزاری۔ وہ اپنے دور میں برپا ہونے والی مختلف تحریکوں سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے بڑی بڑی شخصیتوں کو قریب سے دیکھا' پرکھا' ان کے ساتھ چلے۔ جہاں ضمیر نے کچوکا دیا تو ساتھ بھی چھوڑا لیکن مقصدِ حیات سے کبھی غافل نہ رہے۔ انہوں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو محرک اور متحرک دیکھا تو ان کا ساتھ دیا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ان کے ساتھ چلے۔ جب اپنے تئیں نتائج کے حصول میں کمی دیکھی تو اصلاح کی کوشش کی۔ جب اپنی کوششوں کو سراب ہی پایا تو راہیں جدا کر لیں۔

انسان کو بے مقصد دنیا میں نہیں بھیجا گیا۔ قرآن کی آیت شاہد ہے: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا﴾ (المؤمنون:۱۱۵) ''کیا تم یہ خیال کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں بس یونہی پیدا کر دیا''۔ مراد یہ ہے کہ ہرگز نہیں' انسان کی تخلیق بامقصد ہے۔ جو انسان اس مقصدِ تخلیق کو سمجھے وہی اصلی انسان ہے۔ جو مقصدِ تخلیق سے غافل ہو کر زندگی گزارے وہ صرف سانس پورے کرتا ہے۔ ڈھور ڈنگر کی طرح چارہ کھاتا ہے' پیٹ بھرتا ہے اور دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو سمجھے' اس کو اپنا ہدف بنائے اور اس کے حصول کے لیے زندہ رہے۔ بعض لوگ شکم اور زیرِ شکم ہی کو زندگی سمجھتے ہیں' ایسے لوگ انسان نہیں ڈھور ڈنگر کہلاتے

ہیں۔قرآن کی شہادت موجود ہے:﴿اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ﴾ (الاعراف:۱۷۹) ''یہ لوگ تو بس جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔''

ڈاکٹر اسرار احمد دنیا سے رخصت ہو گئے۔افسوس میڈیا والوں پر ہے جو پاتال تک کی ہونی انہونی کی خبر رکھتے ہیں لیکن انہیں ڈاکٹر اسرار احمد کی موت کا پتا نہ چلا' جنہوں نے ان کی عظمت کو پہچانا تک نہیں' نژادِ نو کو ان کی اہمیت وعظمت بتانے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ان کی ساری توجہات شعیب اور ثانیہ کی شادی ہی پر مرکوز رہیں' حالانکہ شادی ایک نجی معاملہ ہے۔اس خالص نجی معاملہ میں غیر متعلق لوگوں کو شامل کرنا' نجی معاملہ کے مناظر کیمرے کی آنکھ سے لوگوں کی آنکھوں تک پہنچانا کون سی خدمت ہے؟ اس عمل پر تو حیا کی جبین پر بھی پسینہ آ جاتا ہے۔ہم نے یہی بات ایک دوست سے کہی' وہ بولے آپ کا خیال غلط ہے۔شعیب وثانیہ سٹار ہیں' شعیب لڑکا ہے' ٹوپی اوڑھ کر اور پتلون پہن کر کھیلتا ہے۔ثانیہ مرزا اپنی مرضی سے نیکر پہن کر کھیلتی ہے۔دونوں سٹار حق رکھتے ہیں کہ ان کی شادی کی لحہ بہ لحہ خبر اور تصویر سے لوگوں کو باخبر رکھا جائے۔میڈیا یہ حق ادا کر رہا ہے۔ہمارے نزدیک ایسے سٹارز عارضی ہوتے ہیں۔ان کی شوخی اور مستی اس وقت تک ہوتی ہے جب تک وہ میدان میں رہتے ہیں۔پھر ع ''کس نمی پرسد کہ بھیا کیستی؟'' آج ایلن بارڈر اور لاک گنجے کو کون جانتا ہے' حالانکہ وہ بھی چالیس برس قبل کرکٹ کے ہی سٹار تھے۔ہمیں بھی لاک کا نام اس لیے یاد رہا کہ اس کے سر پر بال نہ تھے اور ہم سکول کے طالب علم اسے کھیلتا دیکھ کر مل کر کورس میں یہ گاتے تھے ع ''لاک گنجا' اس کے سر پر منجا''۔ اگر شعور میں یہ بات نہ ہوتی تو ہم بھی لاک کو بھول چکے ہوتے۔

اصل سٹارز تو ڈاکٹر اسرار جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں جن کی زندگیاں گھڑیوں پر نہیں صدیوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔آج امام غزالی' فارابی' ابن سینا' شاہ ولی اللہ' ابن تیمیہ' جمال الدین افغانی' قاسم نانوتوی' داؤد غزنوی' عطاء اللہ شاہ بخاری (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم)' اقبال' غالب' قائداعظم کے تذکرے ہر جگہ ہوتے ہیں' حالانکہ ان کو دنیا سے رخصت ہوئے گھڑیاں نہیں صدیاں بیت چکی ہیں۔یہی لوگ قوم کا سرمایہ ہیں۔کاش! میڈیا والے اس بات کو سمجھ پاتے اور سرد مہری کا مظاہرہ نہ کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل سٹار ڈاکٹر اسرار جیسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے فکر کو آنے والی نسلوں کے دلوں میں مرتسم کر جاتے ہیں۔ان کی فکر مستقبل کو تابناک بناتی ہے۔لوگ ان کی جلائی ہوئی شمع سے مستقل روشنی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ڈاکٹر اسرار نے اپنی فکر کو زبان سے اذہان میں اتارا' قلم کے ذریعے کتابوں میں منتقل کیا۔کتابیں ہمیشہ رہتی ہیں' شمع کی مانند جگمگاتی ہیں۔لوگ ان سے' لوگ نہیں بلکہ نسلیں ان سے روشنی حاصل کرتی رہتی ہیں اور اپنی زندگیوں کو اُجالنے کا سامان مہیا کرتی ہیں۔لیکن میڈیا کو اس کا احساس نہیں کہ کتنا بڑا انسان دنیا سے رخصت ہو گیا اور دنیا والوں کے لیے کیا چھوڑ گیا۔

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر!

❁❁❁

قرآن مجید کی سائنسی تفسیر

کیا ممکن العمل بھی ہے؟

پروفیسر مستنصر میر / ترجمہ: سید قاسم محمود

[پروفیسر مستنصر میر ڈائریکٹر سنٹر آف اسلامک سٹڈیز، شعبۂ فلسفہ و مطالعۂ مذاہب، ینگس ٹاؤن سٹیٹ یونیورسٹی، اوہائیو امریکا کا یہ مقالہ انگریزی جریدے ''اسلام اینڈ سائنس'' کے شمارۂ اوّل، جلد دوم خزاں ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ کرتے وقت ''سائنٹیفک تفسیر'' کو ''سائنسی تفسیر'' کہا گیا ہے۔ مترجم]

تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ تفسیر نگاری کے شعبے میں متعدد اسالیب تفسیر مسلّمہ حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ تفسیر بالروایت میں جزوِ خاص روایت ہے، تفسیر کلامی میں الٰہیات کے مباحث پر زور دیا جاتا ہے، تفسیر فقہی کا تعلق قانونی امور سے ہے، تفسیر نحوی میں انشا اور صرف و نحو کے رموز سے بحث کی جاتی ہے اور تفسیر ادبی میں زبان اور اسلوبِ بیان کے معاملے دیکھے پرکھے جاتے ہیں۔ جہاں تک تفسیر سائنسی کا تعلق ہے، کلاسیکی اسلامی روایت کے بعض رجحانات کو سائنسی کہا جا سکتا ہے، اور بعض ممتاز مسلم مفکرین، مثلاً ابوحامد الغزالی (متوفی ۱۱۱۱ء)، فخرالدین رازی (متوفی ۱۲۰۹ء) اور جلال الدین سیوطی (متوفی ۱۵۰۵ء) کا حوالہ دیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے قرآن کی سائنسی تفسیر کے خیال کی حمایت کی ہے، لیکن تفسیر سائنسی اب تک از روئے تاریخ، مسلّمہ حیثیت اختیار نہیں کر سکی ہے۔ صرف حال ہی میں اسے دوسرے اقسامِ تفسیر کے ہم پلّہ قرار دلانے کے لیے نسبتاً پختہ اور متواتر کاوشیں ہوئی ہیں۔ متعدد زبانوں میں سائنسی تفسیر کے تجربے سامنے آئے ہیں، اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ قرآن حکیم میں سائنٹیفک نوعیت کی معلومات یا علم موجود ہے، اور لفظ سائنٹیفک سے وہی مفہوم مراد ہے جو طبیعی علوم میں لیا جاتا ہے۔ ان جدید تفاسیر میں سے سائنسی یا علمی تفاسیر میں سائنسی تفسیر کی ماہیت و وسعت کی عمومی تشریحات سے لے کر مختلف سائنسی موضوعات پر قرآن کی روشنی میں فی موضوع الگ الگ مباحث ملتے ہیں۔[1]

سائنسی تفسیر کے حق میں دلائل

ہماری تاریخ میں سائنسی تفسیر کے واضح نمونے کی عدم موجودگی کے باعث شبہ پیدا ہوتا ہے کہ سائنسی تفسیر نگاری کا منصوبہ قابلِ عمل نہیں ہے۔ ماضی میں سائنسی تفسیر کے فقدان کو دیکھتے ہوئے قدرتی طور پر خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی تفسیر کو ہماری روایت کی منظوری اور توثیق حاصل نہیں ہے۔ اس شبہ کا ازالہ مندرجہ ذیل وجوہ سے ہو سکتا ہے:

(۱) جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے اسلام کے کلاسیکی دور میں سائنسی تفسیر نگاری کی روایت مکمل طور پر ناآزمودہ اور غیر مصدقہ نہیں رہی۔

(۲) علم، حقیقی اور ٹھوس ضرورتوں اور تقاضوں کے تحت ارتقا پذیر رہتا ہے۔ مثال کے طور پر جب الٰہیات کے سنجیدہ مباحث و مسائل سے نمٹنے کی ضرورت پیدا ہوئی تو کلامی تفسیر وجود میں آئی۔ آج سائنس کے غلبے اور سائنسی عالمی تناظر کا تقاضا ہے کہ سائنسی تفسیر لکھنے کی طرف توجہ کی جائے۔ ایسی تفسیر عصرِ حاضر کی ضرورت بنتی جارہی ہے۔

(۳) قرآن خود کو ''کتاب الہدیٰ'' کہتا ہے۔ گویا ''ہدیٰ'' اسلامی نصوص و احکام کے بارے میں ایک بنیادی اور لازمی عنصر ہے۔ قرآن کی ہدایت کو محض چند امور تک محدود کرنا ایک من مانی ہوگی، ورنہ زیادہ معقول نقطۂ نظر یہی ہے کہ قرآن حکیم میں زندگی کے تمام امور و معاملات کے بارے میں ہدایات موجود ہیں، جن سے ظاہر بات ہے کہ سائنسی ہدایات خارج نہیں ہیں۔ مثلاً اگر دلیل کے طور پر کہا جائے کہ قرآن حکیم قانونی و فقہی علم کا سرچشمہ ہے تو یہ قرآن کی مختلف تفاہیم و تفاسیر میں سے صرف ایک طریقہ اور انداز ہے۔ اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ سائنسی طریقہ قرآن فہمی کا ایک اور ممکنہ اور درست طریقہ اور انداز ہے۔[۲]

(۴) متعدد آیات قرآنی میں مظاہر قدرت کی گوناگونی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کائنات کے مجموعی نظام، توازن اور قدرت کے مختلف عناصر کے درمیان ہم آہنگی اور دنیا کے مظاہر طبیعی کے مابین علت و معلول کے رشتے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝۲﴾ (الفرقان)

''اور پیدا کیا اُس نے ہر چیز کو پھر مقرر کردی اس کی ایک تقدیر۔''

﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷﴾ (الرحمٰن)

''سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں اور تارے اور درخت سجدہ ریز ہیں۔ آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان قائم کردی۔''

﴿اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴﴾

''جس نے تہہ بر تہہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔''

جنین رحمِ مادر میں جن مختلف مرحلوں سے گزرتا ہے، اُس کی پوری باریک تفصیل مختلف آیات میں ملتی ہے، مثلاً:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ

عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا.....﴾ (الحج:۵)

''لوگو! اگر تمہیں حیات بعد ممات کے بارے میں کچھ شک ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے' پھر نطفے سے' پھر خون کے لوتھڑے سے' پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی' تاکہ تم پر واضح کریں کہ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک خاص وقت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں' پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں.....''

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝﴾ (المومنون)

''ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔ پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی' پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا' پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں' پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا' پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔ سو بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے۔''

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾

(المؤمن:٦٧)

''وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے' پھر خون کے لوتھڑے سے' پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے۔''

اسی طرح زوجین کے بارے میں قرآنی تصور کا حوالہ متعدد آیات میں آیا ہے' مثلاً سورۂ یٰسین کی آیت ۳۶ میں ارشاد ہوا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (یٰس)

''پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے' خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود اُن کی اپنی جنس میں سے یا اُن اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں۔''

ہمارے زیر بحث موضوع سے متعلق مذکورہ آیات اور بے شمار دوسری متعلقہ آیات جن کے بطور مثال حوالے دیے جا سکتے ہیں' جن میں کہیں جزئیات کے ساتھ تفصیل ہے اور کہیں عمومی اشارات ظاہر کرتی ہیں کہ سائنسی تفسیر نگاری کا امکان واضح اور وسیع ہے۔

مندرجہ بالا دلیلوں کی طرح کی اور بھی دلیلیں قرآن کی سائنسی تفسیر کے حق میں دی جا سکتی ہیں۔ اسلام کے کلاسیکی دور میں الغزالی اور دوسرے دانشوروں نے جو کوشش محدود پیمانے پر کی تھی وہ جدید زمانے میں وسیع پیمانے پر کی جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر مصر کے نامور عالم طنطاوی جوہری (متوفی ۱۹۴۰ء) اپنی کثیر جلدی تفسیر

قرآن (۳) میں یہ دلیل لاتے ہیں کہ ہر سائنسی دریافت واکتشاف کا حوالہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ حال ہی میں فرانسیسی سرجن' نومسلم مورس بکائے جن کو ان کی معروف تصنیف ''بائبل' قرآن اور سائنس'' کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی ہے' وہ لکھتے ہیں:

''بائبل کے برعکس قرآن مجید میں جو علم ہے وہ سائنسی لحاظ سے درست اور معتبر ہے۔ صرف اہل دانش افراد ہی نہیں بلکہ بڑی بڑی تنظیمیں اور حتیٰ کہ حکومتیں بھی قرآن مجید کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کرنے لگی ہیں کہ اس کتاب میں سائنسی معلومات' علم اور بصیرت موجود ہیں۔''(۴)

چنانچہ متعدد مسلم ملکوں میں قرآن اور سائنس کے باہمی تعلق پر خصوصی کانفرنسیں اور سیمینار منعقد ہوئے ہیں جن میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر مقالات پیش کیے گئے ہیں۔ ان اجتماعات نیز مسلم لٹریچر سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ سائنس اور قرآن میں مکمل ہم آہنگی ہے۔

سائنسی تفسیر کے خلاف دلائل

ایک عام اور بڑی دلیل تو یہی ہے کہ قرآن کوئی سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ سائنسی تفسیر کے نکتہ چیں ابواسحاق الشاطبی (متوفی ۱۳۸۸ء) کے حوالے سے محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں کہ:

''قرآن مجید طب' فلکیات' جیومیٹری' کیمیا یا جادو ٹوٹکوں کی گائیڈ بک کے طور پر نہیں بھیجا گیا' بلکہ ''کتاب الہدیٰ'' کے طور پر نازل کیا گیا ہے تاکہ انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف رہنمائی کرے''۔ ﴿یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾(۵)

سائنسی تفسیر کے حق میں سورۃ الانعام کی آیت ۳۸ کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾

''ہم نے کوئی ایک بھی چیز الکتاب میں نہیں چھوڑی''۔

لفظ ''فرط'' کے لغوی معنی ہیں فراموش کر دینا' نظر انداز کر دینا' تخمینے اور اندازے میں شامل نہ رکھنا۔ لیکن ذہبی کہتے ہیں کہ اس آیت کی تشریح کرتے وقت یہ مراد نہیں لینا چاہیے کہ قرآن میں علم کی ہر قسم کی پوری تفاصیل و جزئیات درج ہیں' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ان تمام اُمور و معاملات کے بارے میں عام اصول بتائے گئے ہیں جن کا جاننا انسان کے لیے ضروری ہے اور جن پر عمل کرنے سے انسان جسمانی و روحانی تکمیل حاصل کر سکتا ہے۔ ذہبی مزید لکھتے ہیں کہ:

''اس آیت میں انسانوں کے غور و فکر کے لیے دروازہ کھلا رکھا گیا ہے' تاکہ وہ کسی خاص عہد میں مختلف علوم کی زیادہ سے زیادہ حد تک تشریح و تفسیر کر سکیں۔ جہاں تک اُن آیاتِ قرآنی کا تعلق ہے جو قدرتی اور وجودی مظاہر کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اُن کا مفہوم و منتہیٰ انسانی عقل و شعور کی ایسی تربیت و رہنمائی ہے جس کی بنا پر ایسے مظاہر کے مشاہدے سے اخلاقی سبق اخذ کیے جا سکیں۔''

سائنسی تفسیر کا تصور اس وجہ سے بھی قابل عمل نہیں ہے کہ سائنس تغیر پذیر ہے جبکہ قرآن اٹل اور ناقابل تغیر

ہے۔لہٰذا قرآن کی تفسیر سائنس کی روشنی میں کرنا انتہائی غلط بات ہے' کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ صرف سائنسی اکتشافات ہی نہیں' سائنسی اصول ونظریے بھی بدلتے رہتے ہیں۔آج کا مسلّمہ نظریہ کل متروک ہو جاتا ہے۔ سائنسی تفسیر کے حق میں شائع ہونے والے لٹریچر کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیات کی تشریح میں سو سال پہلے جن سائنسی نظریوں کا حوالہ دیا جاتا تھا اب اُن کے حوالے سے احتراز کیا جاتا ہے کیونکہ وہ متروک ہو چکے ہیں۔سو تعجب کی بات نہیں کہ سو سال کے بعد قرآن کی جو سائنسی تفسیریں لکھی جائیں گی اُن میں آج کے سائنسی نظریوں کے حوالے نہیں دیے جائیں گے۔

سائنسی تفسیر کے نام پر جو حقیقی تفسیر کی جاتی ہے وہ بھی سائنسی تفسیر پر اعتماد بحال نہیں کر پاتی۔اوّل' اس لیے کہ سائنسی تفسیر کے حدود کے بارے میں جو دعاوی کیے جاتے ہیں' بلند آہنگ اور مبالغہ آمیز ہیں۔مثال کے طور پر افضل الرحمٰن صاحب کی انگریزی تصنیف Quranic Sciences کی فہرست مضامین پر سرسری نظر ڈالنے سے مصنف کا یہ عندیہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اُن کے نزدیک گویا ان تمام طبیعی ومعاشرتی سائنسوں سے تعلق رکھتا ہے جو عصر حاضر کی کسی یونیورسٹی کے نصاب میں شامل درس وتدریس ہے: فلکیات' طبیعیات' کیمیا' نباتیات' حیوانیات' ارضیات' جغرافیہ' بشریات' عمرانیات' معاشیات' نفسیات وغیرہ۔افضل الرحمٰن صاحب نے تو' مثلاً سورۂ الم نشرح کی پہلی تین آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیات اسلامی تہذیب کے دور اول میں طب جراحی اور تشریح الابدان کے علم کی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔متعلقہ آیات یہ ہیں:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣﴾

''(اے نبی ﷺ!) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا؟ اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا۔''

اسی طرح سورۂ قٓ کی آیت ۲۲ کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں: مسلمان سائنس دانوں کو اس آیت نے علم امراض چشم کی تحقیق کی تحریک کی ہوگی۔آیت یہ ہے:

﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝٢٢﴾(قٓ)

''اس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا' ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا پس آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔''

دوم' اس لیے کہ نام نہاد ''سائنٹیفک آیات'' کی تشریح بھی محتاجِ تشریح رہتی ہے۔مثال کے طور پر ''سائنسی تفسیر'' کے حق میں سب سے زیادہ جن آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے اُن میں سے ایک سورۃ الانبیاء کی آیت ۳۰ بھی ہے:

﴿اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ﴾

''کیا ان کفر کرنے والوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں بند ہوتے ہیں پھر ہم ان کو کھول دیتے ہیں۔اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا۔''

اس آیت کا حوالہ یہ ثابت کرنے کے لیے دیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں ''بگ بینگ تھیوری'' کی پیش گوئی کر دی گئی ہے' لیکن آیت کا سیاق اس تشریح کے خلاف ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں سابقہ آیت اور آنے والی آیت کے مضمون کو ملا کر بتایا ہے کہ اس آیت سے توحید اور معاد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس آیت کی تشریح میں مولانا اصلاحی کے اصل الفاظ یہ ہیں:

''رتق کے معنی بند اور فتق کے معنی کھولنے کے ہیں۔ آسمان اور زمین کے بند ہونے اور ان کے کھولنے سے مقصود یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ دیکھتے ہو کہ آسمان بند ہو جاتا ہے' اس سے بارش نہیں ہوتی۔ اسی طرح زمین بند ہوتی ہے' اس سے سبزہ نہیں اُگتا۔ پھر دیکھتے ہو کہ آسمان کھلتا ہے اور اس سے دھڑا دھڑ پانی برسنے لگتا ہے اور اس کے بعد خدا زمین کو بھی کھول دیتا ہے اور وہ اپنی نباتات کے خزانے اگلنا شروع کر دیتی ہے۔ کل تک زمین بالکل خشک اور مردہ پڑی ہوئی تھی' لیکن بارش کے ہوتے ہی اس کے گوشے گوشے میں پانی کے آثار نمودار ہو گئے۔ فرمایا کہ جو لوگ توحید و معاد کا انکار کر رہے ہیں اور قائل ہونے کے لیے کسی نشانی کا مطالبہ کر رہے ہیں' آخر وہ آفاق کی ان نشانیوں پر کیوں غور نہیں کرتے جو ہر روز اُن کے مشاہدے میں آ رہی ہیں۔ اللہ نے اپنی اس کائنات میں یہ نشانیاں اسی لیے تو نمایاں فرمائی تھیں کہ لوگوں کو ان سے صحیح راہ کی طرف راہنمائی حاصل ہو۔''

سوم' اس لیے کہ وحی اور سائنس میں مطابقت دکھانے کی کوشش دوسرے مذاہب بالخصوص عیسائیت کے دانشور بھی کرتے رہے ہیں۔ عیسائی مصنفین نے ایسی بے شمار کتابیں لکھی ہیں جن میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جدید سائنس بائبل کے ایک ایک حرف کو ثابت کرتی ہے اور توقع کے مطابق عیسائی مصنفین نے مسلم مصنفین کی قرآن اور سائنس میں ہم آہنگی ثابت کرنے کی کوشش پر تنقید کی ہے۔ مثال کے طور پر ولیم کیمبل نے اپنی تصنیف ''تاریخ اور سائنس کی روشنی میں قرآن اور بائبل''(۶) میں مورس بکائے کے پیش کردہ حقائق و معلومات کو سراسر مختلف زاویۂ نظر سے دیکھا پرکھا ہے اور وہ ایسے نتائج پر پہنچا ہے جو بائبل کی حمایت و تائید کرتے ہیں اور قرآن مجید کی حقانیت پر شبہ ڈالتے ہیں۔ سائنٹیفک حقائق و معلومات کو کھینچ تان کر اپنے اپنے مذہب کے مطابق ثابت کرنے کے لیے عیسائی اور مسلمان مصنفین جو جو طریقے اختیار کرتے ہیں اُن کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو بہت دلچسپ لگے گا۔ کم از کم ایک ہی مواد کی مختلف تعبیر و تفسیر سے وحی اور سائنس کو ہم آہنگ کرنے کی مشق کے جواز کے بارے میں کئی سوال پیدا ہوں گے۔

سائنسی تفسیر کے ضمن میں ایک اور اہم حقیقت یہ ہے کہ اس کے اکثر و بیشتر حامیوں کو مفسّر کی حیثیت سے مناسب اعتبار و استناد حاصل نہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اس ''کمزوری'' کے لیے اظہارِ معذرت بھی نہیں کرتے' بلکہ اپنی اس سوچ پر فخر کرتے ہیں کہ سائنسی تفسیر پیش کرنے والے کے پاس دو انتہائی اہم قابلیتوں کا ہونا کافی ہے: ایک تو سائنسی اکتشافات کی کچھ نہ کچھ معلومات رکھنے کی قابلیت اور دوسرے سائنسی اکتشافات کو آیاتِ قرآنی سے ہم آہنگ کرنے بلکہ ان سے اخذ کرنے کی قابلیت۔ سائنسی تفسیر کے ضمن میں ایک اور قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ اس کے لکھنے کی حوصلہ افزائی عموماً سرکاری سرپرستی میں کی جاتی ہے۔ ان دونوں حقیقتوں کا

امتزاج دنیائے اسلام میں حکومتوں کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں دیکھنے میں آتا ہے۔ ان سرکاری تقریبات میں جن کی صدارت کے فرائض عموماً صدر مملکت یا وزیر مذہبی امور انجام دیتے ہیں 'شفاضلانہ اور محققانہ مقالات' بڑے بڑے بیوروکریٹ اور افسرانِ بالا پیش کرنے کا اعزاز حاصل کرتے ہیں جن کی اپنی زندگی فضل و تحقیق سے یکسر محروم ہوتی ہے۔ مذکورہ حقائق کی مثال ایسی ہے جیسے صحرا میں سیلاب۔ یہ نہ تو کسی ٹھوس روایت سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ کوئی نئی روایت قائم کرتے ہیں۔

تجزیہ و تبصرہ

قرآن مجید کی سائنسی تفسیر کے ممکن العمل ہونے کے ضمن میں اپنے خدشات و شبہات اوپر بیان کر چکا ہوں۔ میرے شبہات کے باوجود میرا خیال ہے کہ اصولاً ایسی تفسیر ناممکن العمل نہیں ہے۔ میرے اس خیال کی تین وجوہ ہیں:

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا' متعدد آیاتِ قرآنی میں ایسے مظاہر کے حوالے موجود ہیں' جو ''سائنسی'' تفسیر و تعبیر کے لیے کافی امکانات رکھتے ہیں۔ جس طرح ایک قانون دان جب قرآن کا مطالعہ کرتا ہے تو قدرتی طور پر ایسی آیات پر زیادہ توجہ دیتا ہے جو قانون سازی سے متعلق ہیں اور پھر ان کے مضمرات پر غور و فکر کرتا ہے' اسی طرح جب ایک ماہر حیاتیات قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ مسائل حیات مثلاً رحم میں پلنے والے جنین کے ارتقائی مراحل سے متعلق آیات پر زیادہ دلچسپی اور سنجیدگی سے توجہ دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قانون دان کی دلچسپی اپنی جگہ حیاتیات دان کی دلچسپی اپنی جگہ۔ ایک کی دلچسپی کو دوسرے کی دلچسپی پر تفوق حاصل نہیں ہے۔ لسانی نقطۂ نظر سے یہ عین ممکن ہے کہ ایک لفظ یا جملے یا بیان کے معنی کی کئی تہیں ہوں۔ ایک تہہ ایک خاص عہد میں لوگوں کے لیے بامعنی ہو جبکہ آنے والے کسی اور عہد میں پہلی تہہ کی نفی کیے بغیر لوگوں کے لیے کوئی اور تہہ بامعنی اور بامقصد ہو۔ مثال کے طور پر لفظ ''سَبَحَ'' کو دیکھئے۔ اس کے معنی ہیں تیرنا۔ سورۃ الانبیاء کی آیت ۳۳ میں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳﴾

''اور وہی تو ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو۔ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔''

لفظ ''يَسْبَحُوْنَ'' ساتویں صدی کے عربوں کے لیے بھی ایک خاص معنی رکھتا تھا جو عریاں آنکھ سے مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرتے تھے اور آج ہمارے لیے بھی یہ لفظ جدید سائنسی نظریات و اکتشافات کی روشنی میں' ایک خاص معنی رکھتا ہے۔

ممکن ہے کہ سائنسی تفسیر کے ممکن العمل نہ ہونے کی وجہ اس منصوبے کی قدرتی تحدیدات ہوں لیکن درحقیقت بڑی وجہ یہ ہے کہ اب تک قرآن مجید کی کوئی قابل اعتماد سائنسی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مستقبل میں سائنسی تفسیر نہیں لکھی جا سکتی۔ تصوف کو اسلام کے بڑے دھارے میں جذب ہونے میں کئی صدیاں لگ

گئی تھیں۔ تصوف کی طرح سائنسی تفسیر کو بھی اپنے غزالی کا انتظار کرنا ہوگا اور بالآخر یہ ٹھوس بنیادوں پر استوار ہو کر ایک حقیقت بن جائے گی اور آج جو لوگ اسے ناممکن العمل ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کل اُن کی حالت وولٹیئر کی کہانی Zadig کی اس طبیب کی سی ہو کر رہ جائے گی جو ہیرو کی آنکھ کے پھوڑے کا علاج کرنے سے قاصر رہا لیکن جب وہ پھوڑا خود بخود ٹھیک ہو گیا تو اُس نے کتاب لکھی جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ پھوڑے کی یہ صحت یابی طبی نقطہ نظر سے درست نہیں تھی۔

مقالے کو ختم کرنے سے پہلے مشاہدے پر مبنی چار نکات پیش کرنا چاہتا ہوں:

(۱) سائنسی تفسیر کی تائید وحمایت میں دو محرکات پوشیدہ ہیں۔ پہلا محرک جو نوعیت کے لحاظ سے منفی ہے یہ ظاہر و ثابت کرنے کی خواہش ہے کہ قرآن اور سائنس میں کوئی باہمی کشمکش نہیں ہے۔ دوسرا محرک جو نوعیت کے لحاظ سے مثبت ہے' اعجاز القرآن کو ظاہر و ثابت کرنے کی خواہش ہے' یعنی یہ ثابت کرنے کی خواہش کہ بالآخر قرآن میں قابل تصدیق سائنسی معلومات کی موجودگی قرآن کو منزل من اللہ قرار دے گی کیونکہ ایسی کتاب وحی الٰہی سے ہی ظہور میں آسکتی ہے۔ یہ دونوں محرکات اپنے آخری نتیجے میں ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ یہاں میں ہر رُخ کی الگ الگ جھلک دکھانا چاہوں گا۔

کلام الٰہی اور سائنسی اکتشافات کے درمیان موافقت و مطابقت پیدا کرنے کا منصوبہ از روئے تعریف دفاعی نوعیت کا منصوبہ ہے۔ وحی اور عقل میں موافقت پیدا کرنے کی ایسی ہی ذہنی ورزش پہلی مرتبہ مسلمان مفکروں نے عباسیوں کے عہد میں اختیار کی تھی جب وہ یونانی فلسفے کو اسلامی عقائد سے ہم آہنگ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں بحث مباحثے کا میدان الٰہیات تھا آج سائنس ہے' لیکن ذہنی ورزش کی نوعیت بالکل ویسی ہی ہے۔ جدید سائنس نے جو چیلنج بنیادی طور پر عیسائیت کو دیا تھا آج وہ تمام مذاہب کو بلکہ روح مذہب کو دیا جا رہا ہے۔ مسلمان اس چیلنج کی نوعیت و ماہیت کو سمجھیں یا نہ سمجھیں' لیکن اس کی قوت و طاقت کو پوری شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ بعض مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ اسلام کا مناسب دفاع یہ ثابت کرنے میں ہے کہ قرآن اور سائنس میں کوئی کشمکش نہیں ہے بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہ ثابت کرنے میں کہ قرآن پہلے ہے اور جدید سائنس بعد میں۔

جہاں تک اعجاز القرآن کا تعلق ہے میرے خیال میں اسے برحق ثابت کرنے کی کوششیں اصولاً غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ اعجاز القرآن کے تصور نے مسلمان دانشوروں کو نسلاً بعد نسلٍ مسحور کیے رکھا ہے جس کے نتیجے میں بے شمار کتب اعجاز القرآن کے اثبات میں وجود میں آئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ خود قرآن نے بالکل ابتدا میں منکرین عرب کو جو چیلنج دیا تھا کہ اگر وہ اس کتاب کو کلام الٰہی ماننے کے لیے تیار نہیں تو وہ اس جیسا کلام بنا کر دکھائیں اور جب منکرین قرآن کلام پیش کرنے سے قاصر رہے تو اعجاز القرآن ثابت کرنے کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور ہر نئے دور میں یہ باب از سر نو کھولنے کی ضرورت نہ رہی۔ یہ نظریہ کہ وقت کے ساتھ ساتھ علم میں ہونے والی ترقیاں قرآن کو سچا اور برحق ثابت کر دیں گی اس مقالے میں پیش کردہ رائے کے خلاف نہیں ہے یعنی یہ کہ قرآن کو تغیر پذیر سائنس کا یرغمال نہیں بنایا جا سکتا۔

(۲) یہ ایک عجیب وغریب حقیقت ہے کہ قرونِ اولیٰ میں' جب مسلمانوں نے زبردست سائنسی سرگرمی کا مظاہرہ کیا' اُس وقت جو تفاسیر قرآن لکھی گئیں ان میں بالعموم سائنس کے حوالے موجود نہیں ہیں۔ اس کے برعکس آج جبکہ مسلمانوں کی سائنسی سرگرمیاں زوال پذیر ہیں بہت سے مسلم مفکروں نے اسلامی عقائد کے تحفّظ اور ہمدردی کا ذمہ دار سائنس کی ذات میں ڈھونڈ لیا ہے۔ آج سائنسی تفسیر کا سب سے بڑا سہارا جدید سائنس بن گئی ہے' جو اپنی اصلیت اور ترقی کی تاریخ کے باوجود مغربی تہذیب کی پیداوار ہے(۷) اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ آیا سائنس اخلاقی اقدار کی حامل ہے یا اخلاقی اقدار سے بے نیاز ہے؟ اس امر پر یقین کر لینے کے مضبوط وجوہ اور دلائل موجود ہیں کہ سائنسی کلچر اپنے تصورات میں اور اپنے نفاذ میں بھی اُس تہذیب کے تانے بانے سے جڑا ہوا ہے جس کی یہ پیداوار ہے۔ سائنس کوئی مجرد یا بے چہرہ چیز نہیں ہے' اس کی بنیاد معاشرتی وتہذیبی نظام سے اخذ کردہ چند پیشگی مفروضات پر مبنی ہے۔ سائنس کا ایک کردار' ایک مزاج' ایک تشخص ہے۔ میرا خیال ہے اپنی موجودہ شکل میں سائنسی تفسیر اسلام کے نام پر مغربی سائنس کے رنگ میں رنگی جائے گی۔ بالفاظِ دیگر یہ اپنی اصلیت کی توثیق سے محروم ہو جائے گی۔ ''اصلیت کی توثیق'' سے ہماری مراد ہے تحریک کی اپنی اصلیت' اپنا تناظر' اپنی تنظیم' اپنی تعمیر۔ قرآن کی ''سائنسی تفسیر'' کا معتد بہ حصہ اس تعریف کی میزان پر پورا اُترنے سے قاصر رہے گا۔(۸)

(۳) قرآن میں مذکور سائنسی علم کے بارے میں جو بھی نظریہ اختیار کیا جائے' اس کا قرآن میں مذکور دوسری نوعیت کے علم مثلاً تاریخ کے علم سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ سورۃ الروم میں ایک مشہور پیشین گوئی کی گئی ہے جو سچی ثابت ہوئی' یعنی یہ کہ: ''رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے''۔ قرآن نے ایک خاص پیشین گوئی کی جو سچی ثابت ہوئی' تو اس حقیقت کا یہ مطلب نکالنا درست نہیں کہ قرآن مجید میں مستقبل میں رونما ہونے والے تمام واقعات کے بارے میں اطلاعات ومعلومات دی گئی ہیں۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ قرآن میں طارق بن زیاد کے ہسپانیہ پر حملے (۷۱۱ء)' حطین کے مقام پر صلیبیوں پر صلاح الدین ایوبی کی فتح (۱۱۸۷ء)' یا ۱۹۷۹ء کے ایرانی انقلاب کے حوالے موجود ہیں' جسے عرف عام میں ''علم الاوّلین والآخرین'' کہا جاتا ہے۔ جو معاملہ تاریخ کے ساتھ ہے وہی معاملہ سائنس کے ساتھ ہے۔ اگر قرآن میں مستقبل میں ہونے والے تمام تاریخی واقعات کے بارے میں معلومات کا ذخیرہ نہیں ہے تو مستقبل میں ہونے والے سائنسی اکتشافات وایجادات کے بارے میں بھی معلومات فراہم کرنے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں (یعنی یہ اصول کہ قرآن میں مذکور سائنسی علم کے بارے میں جو بھی نظریہ اختیار کیا جائے اُس کا قرآن میں مذکور دوسری نوعیت کے علم سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے) بجا طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن قدرت کے سائنسی مطالعے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے لیکن مطالعۂ تاریخ کی ترغیب ضرور دیتا ہے۔ یہ بات قانون پر بھی صادق آتی ہے اور دوسرے علوم پر بھی۔ قرآن نہ صرف یہ کہ قانون وضع کرتا ہے یا تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے بلکہ ان کی طرف تحریک دیتا

ہے۔قرآن نے اسلام کی ابتدائی نسلوں کو بصیرت اور جوش کے ساتھ تحریک دی جس کی بنیاد پر مسلمانوں نے اپنی ایک مابہ الامتیاز فکری وعقلی روایت قائم کی۔اپنی روایت قائم کرتے وقت مسلمانوں نے اپنے زمانے کے ماحول سے بھی اثرات قبول کیے اور اُس زمانے کے غالب افکار اور فکری تحریکوں سے بھی استفادہ کیا۔میں اس میں کوئی حرج یا عار محسوس نہیں کرتا کہ آج بھی مسلمان اپنے موجودہ فکری ماحول سے' جس کا غالب عنصر سائنس ہے' استفادہ کریں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی واضح نشانیوں پر تفکر وتدبر کا جو حکم دیا ہے وہ آج بھی اپنی پوری قوت وشان کے ساتھ موجود ہے:

﴿.....وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''.....اور ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں درمیان آسمان وزمین کے' یقیناً ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔''

﴿يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (یونس)

''وہ کھول کھول کر بیان کرتا ہے اپنی نشانیاں' ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

﴿قُلِ انْظُرُوْا مَا ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (یونس:۱۰۱)

''کہو' ذرا دیکھو تو کیا کیا نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں۔''

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ﴾ (العنکبوت:۲۰)

''ان سے کہو! چلو پھرو زمین میں' پھر دیکھو کہ کس طرح ابتدا کی ہے اُس نے خلق کی۔''

﴿اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الجاثیۃ:۳)

''حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں' اہل ایمان کے لیے۔''

آج ضرورت ہے یہ حقیقت تسلیم کرنے کی کہ مشاہدۂ قدرت پر غور وفکر کی جو دعوت قرآن نے مسلمانوں کو دی ہے' مسلمان سنجیدگی سے اس پر عمل کریں۔لیکن پہلے انہیں یہ یقین کر لینا چاہیے کہ کیا وہ عمل کرنے کے لیے مناسب طریقے سے تیار بھی ہیں۔عمل کے لیے تیاری میں کئی باتیں شامل ہیں: علم کی پُرثروت اور دیرپا مسلم روایت کی مکمل آگہی' اس روایت کی تحریم وتکریم کی پاسداری کا عزم اور اُس روایت کے بطون سے علم وحکمت کے تازہ افق پیدا کرنے کا جذبہ۔[9]

سائنسی تفسیر کا منصوبہ کبھی ممکن العمل نہ ہو سکے گا جب تک یہ اپنی اصلیت کی توثیق کی شہادت نہ دے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ایسی جدید تفاسیر میں سے چند یہ ہیں:

☆ خلق السموات والارض فی ستة ایام فی العلم والقرآن از حسن حامد ' تیونس' نشر و توزیع' مؤسسة عبدالکریم بن عبدالله' ۱۹۹۲ء۔

☆ Why I am a Believer' تصنیف: محمد جمال الدین الفندی۔عربی سے ترجمہ: طاہر عمر' نظر ثانی: ایم جی الفندی'

قاہرہ' سپریم کونسل برائے امور اسلامیہ۔
☆ القرآن الحکیم والعلم الحدیث از منصور حسن النبی' قاہرہ۔
☆ من دلائل الاعجاز العلم فی القرآن والسنۃ النبویہ از موسیٰ الخطیب ' قاہرہ' مؤسسۃ الخلیج العربی' طباعۃ ونشر' ۱۹۹٤ء۔
☆ من الآیات العلمیہ از عبدالرزاق نوفل' قاہرہ و بیروت' دار الشروق' ۱۹۸۹ء۔
☆ Quranic Sciences از افضل الرحمن' لندن' دی مسلم سکولر ٹرسٹ' ۱۹۸۱ء۔
☆ قرآن اور سائنس از رضی الدین صدیقی' علی گڑھ' انجمن ترقی اردو ہند۔

(۲) مہدی گلشنی نے لکھا ہے: ''تمام علوم' خواہ الہیاتی ہوں یا طبیعی' قربِ خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ جب تک وہ یہ کردار ادا کرتے رہیں گے وہ مقدس و معزز ہیں''۔ بحوالہ کتاب The Holy Quran and the Science of Nature از مہدی گلشنی۔ شائع کردہ: انسٹی ٹیوٹ آف گلوبل کلچرل سٹڈیز' بنگ ہمٹن یونیورسٹی' ۱۹۹۹ء۔

(۳) الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم المشتمل علی العجائب۔ ۲٦ جلدیں۔ مطبوعہ قاہرہ' مصطفی الباب اللحابی۔

(٤) بائبل' قرآن اور سائنس' نارتھ امریکن ٹرسٹ پبلی کیشنز' انڈیانا پولیس' ۱۹۷۸ء۔ اس کے متعدد تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

(٥) التجاہ المنحرفۃ فی تفسیر القرآن الکریم' قاہرہ' دار الاعتصام' ۱۹۷٦ء' ص ۸٦۔۸۷۔

(٦) ولیم ایف کمبل کی اصل انگریزی کتاب کا نام یہ ہے: The Quran and the Bible in the Light of History and Science (مطبوعہ: اپر ڈربی' پنسلوانیا' مڈل ایسٹ ریسورسز' ۱۹۸٦ء)

(۷) جیسا کہ ضیاء الدین سردار نے لکھا: ''جدید سائنس واضح طور پر مغربی ہے۔ پوری دنیا میں جہاں جہاں سائنس کو اہمیت حاصل ہے وہ اپنے اسلوب اور طریق کار میں مغربی ہے' سائنس دان کا رنگ اور اس کی زبان خواہ کچھ بھی ہو'' (حوالہ ان کی تصنیف Explorations in Islamic Sciences' مطبوعہ: لندن و نیویارک' مینسل' ۱۹۸۹ء' ص ٦)۔

(۸) ضیاء الدین سردار نے اپنی محولہ بالا کتاب کے صفحات ۹۵ تا ۹۷ میں خاکوں کی مدد سے بطور خلاصہ مغربی سائنس اور اسلامی سائنس کے بڑے بڑے فرق واختلاف پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''مسلمان سائنس دان کہتا ہے کہ سائنس عقیدے' فہرستِ ترجیحات اور تحقیقات کی سمت سے اس حد تک جڑی ہوئی ہے کہ اب سائنس دان عقیدہ ساز بن گئے ہیں۔''

(۹) ملاحظہ ہو یوسف القرضاوی کے تصور اعجاز القرآن کی محتاط قبولیت۔ ان کی تصنیف العقل والعلم فی القرآن الکریم' قاہرہ' مکتبہ وھاب' ۱۹۹٤ء' ص ۲۹۲ تا ۲۹٦۔

(بشکریہ: مجلّہ ''اقبالیات'')

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

قرآن میں تشبیہ اور اس کی اقسام

حافظ محمد زبیر

عربی زبان سے متعلق علوم کی پانچ بڑی اقسام ہیں: (۱) علم لغت (۲) ادب عربی (۳) صرف (۴) نحو (۵) بلاغت۔

علمِ بلاغت کو علماء نے تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے: (۱) علمِ بیان (۲) علمِ معانی (۳) علمِ بدیع۔

علمِ بیان کی اہم ابحاث میں سے ایک بحث تشبیہ کی بھی ہے۔ بعض اہل علم کا کہنا تو یہ ہے کہ علمِ بلاغت کی جمیع انواع میں سے اہم تر نوع تشبیہ ہے۔ عربی زبان وادب کے ستون امام مبرد نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں کہا ہے کہ اگر یہ بات کہی جائے کہ اہل عرب کا اکثر کلام تشبیہ ہے تو یہ بات درست ہوگی۔ بعض اہل علم نے قرآن کی تشبیہات پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں' جیسا کہ امام سیوطی نے اپنی کتاب ''الاتقان'' میں تذکرہ کیا ہے۔ قرآن میں تشبیہ کے موضوع پر علامہ ابن ناقیا بغدادی کی کتاب ''الجمان'' کے نام سے ہے اور یہ کتاب کویت کی وزارتِ اوقاف کی طرف سے شائع ہو چکی ہے' لیکن اس کتاب کا اسلوبِ تحریر قدیم ہے اور قرآن کی تشبیہات کی اقسام کے تحت تشبیہات کو نہیں بیان کیا گیا بلکہ زیادہ زور قرآنی تشبیہات کی بلاغت کو نمایاں کرنے پر ہے۔ قرآن میں تشبیہ اور اس کی اقسام کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ تشبیہ اور اس کی اقسام کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ علماءِ بلاغت نے تشبیہ کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

"التشبيه بيان أن شيئا أو أشياء شاركت غيرها في صفة أو أكثر بأداة هي الكاف أو نحوها ملفوظة أو ملحوظة" (البلاغة الواضحة : ص ۲۸)

''کسی ایک یا ایک سے زائد اشیاء کا کسی دوسری شے کے ساتھ کسی ایک یا ایک سے زائد صفات میں شریک ہونا تشبیہ کہلاتا ہے اور اس مشارکت کا بیان کسی اداۃ تشبیہ مثلاً حرف کاف وغیرہ سے ہوتا ہے' چاہے وہ اداۃ لفظوں میں موجود ہو یا معنی میں ملحوظ ہو۔''

آسان الفاظ میں کسی ایک شے کا کسی دوسری شے کے ساتھ اداۃ تشبیہ کے ذریعے کسی صفت میں مشترک ہونا تشبیہ کہلاتا ہے' مثلاً:

"زيد كالأسد في الشجاعة" ''زید شیر کی مانند ہے بہادری میں۔''

یہاں ''زید'' ایک شے ہے اور ''شیر'' ایک دوسری شے اور زید کو شیر کے ساتھ صفتِ ''شجاعت'' میں مشترک قرار دیا جا رہا ہے اور اس اشتراک کا ذریعہ حرفِ جار ''کاف'' ہے' لہٰذا یہ ایک تشبیہ ہے۔

ارکان تشبیہ

تشبیہ کے چار ارکان ہیں:

۱) مشبہ یعنی جس کو تشبیہ دی جارہی ہو۔ مذکورہ بالا مثال میں مشبہ ''زید'' ہے۔

۲) مشبہ بہ یعنی جس کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہو۔ مذکورہ بالا مثال میں مشبہ بہ ''شیر'' ہے۔ مشبہ اور مشبہ بہ کو ''طرفین تشبیہ'' بھی کہتے ہیں۔

۳) اداۃ تشبیہ یعنی جس شے کے ذریعے تشبیہ دی جارہی ہو۔ مذکورہ بالا مثال میں یہ حرفِ جار ''کاف'' ہے۔ اداۃ تشبیہ اسم بھی ہوسکتا ہے' جیسا کہ 'مثل' وغیرہ اور حرف بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ 'کاف' وغیرہ۔ بعض اوقات فعل بھی اداۃ تشبیہ کے معنی میں استعمال ہوجاتا ہے' جیسا کہ حَسِبَ یَحْسَبُ وغیرہ۔

۴) وجہ شبہ یعنی وہ صفت جس کی وجہ سے ایک شے کو دوسری شے کے مشابہ قرار دیا جارہا ہے۔ مذکورہ بالا مثال میں یہ ''شجاعت'' ہے۔

تشبیہ کی اقسام

مختلف اعتبارات سے تشبیہ کی کئی ایک اقسام بیان کی گئی ہیں۔ ذیل میں ہم ان کا خلاصہ نقل کررہے ہیں:

اداۃِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی اقسام

اداۃِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں:

۱) تشبیہ مرسل: تشبیہ مرسل اسے کہتے ہیں جس میں اداۃ تشبیہ مذکور ہو۔ مثلاً:

"زید کالأسد فی الشجاعة" ''زید شیر کی مانند ہے بہادری میں۔''

مرسل باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ''چھوڑا گیا'' بنے گا۔ پس وہ تشبیہ کہ جس میں اداۃ تشبیہ کو چھوڑ دیا گیا یعنی حذف نہ کیا گیا ہو تشبیہ مرسل کہلائے گی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ﴾ (الاعراف:۱۷۶)

''اور اس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کی' پس اس کی مثال کتے کی سی ہے۔ آپ اس پر بوجھ لادیں (یعنی اسے ڈانٹ پلائیں) تو ہانپتا ہے اور اگر اس کو چھوڑ دیں (یعنی ڈانٹ نہ پلائیں) تو پھر بھی ہانپتا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں مشبہ ''خواہش نفس کا پیروکار'' ہے۔ مشبہ بہ ''کتا'' ہے۔ حرفِ تشبیہ ''کاف'' ہے اور وجہ شبہ دونوں کی رذالت اور کمینگی ہے۔

۲) تشبیہ مؤکد: وہ تشبیہ ہے جس میں اداۃ تشبیہ محذوف ہو' یعنی لفظوں میں موجود نہ ہو' مثلاً:

"زید أسد فی الشجاعة" ''زید شیر ہے بہادری میں۔''

تشبیہ کی یہ قسم پہلی کی نسبت زیادہ بلیغ ہے' کیونکہ پہلی قسم میں زید کو شیر جیسا کہا گیا ہے جبکہ دوسری میں زید کو شیر کہا گیا ہے' یعنی زید کی شجاعت اس قدر زیادہ ہے کہ اداۃ تشبیہ کو بھی محذوف کرتے ہوئے زید کو براہ

راست شیر ہی قرار دے دیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ (النمل : ۸۸)

''اور آپ دیکھتے ہیں پہاڑوں کو تو آپ ان کو زمین میں مضبوطی سے گڑا ہوا خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ (قیامت کے دن ایسے) چلیں گے (جیسا کہ) بادلوں کا چلنا ہے۔''

اس آیت میں پہاڑوں کے چلنے کو بادلوں کے چلنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔پس ''پہاڑوں کا چلنا'' مشبہ ہے اور ''بادلوں کا چلنا'' مشبہ بہ ہے۔اداۃ تشبیہ یعنی حرف ''کاف'' محذوف ہے اور وجہ شبہ دونوں کا ''وزن میں ہلکا ہونا'' ہے۔

وجہ شبہ کے اعتبار سے تشبیہ کی اقسام

وجہ شبہ کے اعتبار سے بھی تشبیہ کی دو اقسام ہیں:

۱) تشبیہ مجمل: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ مذکور نہ ہو مثلاً:

"زید کالأسد" ''زید شیر کی مانند ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ (الحاقة)

''گویا کہ وہ (یعنی قوم عاد) گری ہوئی کھجور کے تنے ہوں۔''

اس آیت مبارکہ میں مشبہ ''قوم عاد کے افراد'' ہیں اور مشبہ بہ ''کھجور کے تنے'' ہیں اور وجہ شبہ ان دونوں کا لمبا اور طویل ہونا ہے جو کہ یہاں محذوف ہے۔حرف تشبیہ "کانّ" ہے۔اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ﴾ (الرحمٰن)

''گویا کہ وہ (یعنی حوریں) یاقوت اور مرجان ہوں۔''

اس آیت مبارکہ میں مشبہ ''جنتی حوریں'' ہیں اور مشبہ بہ ''یاقوت اور مرجان'' موتی ہیں۔وجہ شبہ ان کی ملائمت اور خوبصورتی ہے جو محذوف ہے۔حرف تشبیہ ''کانّ'' ہے۔یہ واضح رہے کہ ''کانّ'' اس وقت تشبیہ کا فائدہ دیتا ہے جبکہ اس کی خبر اسمِ جامد ہو جیسا کہ مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں ہے لیکن اگر اس کی خبر اسمِ مشتق ہو تو اس صورت میں یہ شک کا معنی دیتا ہے۔

۲) تشبیہ مفصل: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ مذکور ہو مثلاً:

"زید کالأسد فی الشجاعة" ''زید شیر کی مانند ہے بہادری میں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ﴾ (الکهف : ۲۹)

''اور جب اہل جہنم پانی طلب کریں گے تو ان کو پانی دیا جائے گا ایسا پانی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا اور چہروں کو جھلسا کر رکھ دے گا۔''

اس آیت مبارکہ میں مشبہ ''پانی'' ہے اور مشبہ بہ ''پگھلا ہوا تانبا'' ہے۔ اداۃ تشبیہ حرف ''کاف'' ہے اور وجہ شبہ پانی کا اتنا گرم ہونا ہے کہ وہ چہروں کو جھلسا دے۔

وجہ شبہ کے اعتبار سے تشبیہ کی ایک اور تقسیم بھی بیان کی گئی ہے:

تشبیہ تمثیل اور تشبیہ غیر تمثیل۔

۱) تشبیہ تمثیل: اس تشبیہ کو کہتے ہیں جس میں وجہ شبہ متعدد چیزوں سے لی گئی ہو۔ اس کی مثالیں قرآن میں بہت زیادہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ (البقرۃ: ۲۶۱)

''ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کے رستے میں خرچ کرتے ہیں اُس دانے کی مانند ہے جس نے سات بالیاں اُگائیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں مشبہ ''اللہ کے رستے میں خرچ کیا گیا مال'' ہے۔ مشبہ بہ ''دانہ'' ہے۔ اداۃ تشبیہ حرف ''کاف'' ہے اور وجہ شبہ دانے کا سات بالیاں اگانا اور ہر بالی کا ایک صد دانے اگانا ہے۔

۲) تشبیہ غیر تمثیل: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ متعدد چیزوں سے نہ لی گئی ہو مثلاً:

﴿اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ (المرسلات)

''بے شک جہنم کی آگ پھینکے گی چنگاریاں محل کی مانند۔''

اس آیت میں مشبہ ''جہنم کی آگ کی چنگاری'' ہے۔ مشبہ بہ ''محل'' ہے۔ حرف تشبیہ ''کاف'' ہے اور وجہ شبہ دونوں کا بڑا ہونا ہے۔

وجہ شبہ اور اداۃ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی اقسام

تشبیہ بلیغ: یہ وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں محذوف ہوں مثلاً:

"زید أسد" ''زید شیر ہے۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا﴾ (النبأ)

''اور ہم نے رات کو لباس بنایا۔''

اس آیت مبارکہ میں مشبہ ''رات'' ہے اور مشبہ بہ ''لباس'' ہے جبکہ اداۃ تشبیہ حرف کاف محذوف ہے۔ اسی طرح وجہ شبہ بھی محذوف ہے جو کہ ''چھپانا'' ہے اور یہ وجہ لباس اور رات دونوں میں پائی جاتی ہے۔ تشبیہ کی اس قسم میں بلاغت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا اسے ''تشبیہ بلیغ'' کہتے ہیں۔

مشبہ اور مشبہ بہ کے اعتبار سے تشبیہ کی اقسام

تشبیہ عکس: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ کو مشبہ بہ اور مشبہ بہ کو مشبہ بنا دیا جائے۔ قرآن مجید میں کفار کا قول نقل

کیا گیا ہے:

﴿اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ (البقرۃ:۲۷۵)

''سوا اس کے نہیں بیع بھی تو سود کی مانند ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں دراصل مشبہ ''سود'' تھا اور مشبہ بہ ''بیع'' تھی' کیونکہ بات سود کی چل رہی ہے نہ کہ بیع کی' اور تقدیر عبارت ''انما الربو مثل البیع'' تھی۔ لہٰذا سود کو بیع کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اسے جائز قرار دینا کفار کا مقصود تھا' لیکن کفار نے اس ترتیب کو الٹ کر دیا اور مشبہ یعنی ''سود'' کو مشبہ بہ بنا دیا اور مشبہ بہ یعنی ''بیع'' کو مشبہ بنا دیا۔ پس بظاہر بیع کو سود سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کو تشبیہ عکس کہتے ہیں۔ تشبیہ عکس سے مقصود کلام میں مبالغہ ہوتا ہے۔ امام سیوطی نے ﴿اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ﴾ (النمل:۱۷) اور ﴿وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی﴾ (آل عمران:۳۶) کو بھی اسی قسم میں شمار کیا ہے۔ پہلی مثال میں خالق کو مشبہ بنایا گیا ہے حالانکہ یہ مشبہ بہ ہے اور غیر خالق کو مشبہ بہ بنایا گیا ہے حالانکہ یہ مشبہ ہے۔ اگر خالق کو مشبہ اور غیر خالق کو مشبہ بہ مان لیں تو اعلیٰ کی ادنیٰ سے تشبیہ لازم آتی ہے جو درست نہیں ہے۔ اس تشبیہ کو 'تشبیہ مقلوب' بھی کہتے ہیں۔

تشبیہ کی کچھ مزید اقسام

اس عنوان کے تحت ہم تشبیہ کی ان اقسام کو بیان کریں گے جو علم بیان میں تو معروف ہیں لیکن قرآن میں ہمیں ان کی کوئی مثال نہ مل سکی۔ طرفین تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو اور اقسام بھی بیان کی گئی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱) تشبیہ ملفوف: وہ تشبیہ ہے جس میں دو یا دو سے زائد مشبہ ایک ساتھ لائے جاتے ہیں اور پھر اسی طور پر دو یا دو سے زائد مشبہ بہ لائے جاتے ہیں' مثلاً:

"زید وحامد کالشمس والقمر" ''زید اور حامد سورج اور چاند کی مانند ہیں۔''

اس مثال میں زید کو سورج اور حامد کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ زید اور حامد دو مشبہ ہیں اور سورج اور چاند دو مشبہ بہ ہیں۔ پہلے دو مشبہ کو لایا گیا اور پھر دو مشبہ بہ کو بیان کیا گیا ہے۔

۲) تشبیہ مفروق: وہ تشبیہ ہے کہ جس میں پہلے ایک مشبہ اور مشبہ بہ لایا جائے اور پھر اسی طور پر ایک دوسرا مشبہ اور مشبہ بہ لایا جائے' مثلاً:

"زید کالشمس وحامد کالقمر"

''زید سورج کی مانند ہے اور حامد چاند کی مانند۔''

اس مثال میں زید مشبہ ہے اور اس کے بعد مشبہ بہ سورج ہے۔ اسی طرح حامد مشبہ ہے اور اس کے بعد مشبہ بہ چاند ہے۔

طرفین تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو اور اقسام بھی بیان کی جاتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱) تشبیہ تسویہ: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ ایک سے زائد ہوں لیکن مشبہ بہ ایک ہی ہو' مثلاً:

"زید وحامد کالأسد" ''زید اور حامد شیر کی مانند ہیں۔''

اس مثال میں مشبہ زید اور حامد ہیں اور یہ دو ہیں' جبکہ مشبہ بہ شیر ہے اور یہ ایک ہے۔

۲) تشبیہ جمع: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ بہ متعدد ہوں لیکن مشبہ ایک ہی ہو' مثلاً:

"زید کالشمس والقمر" ''زید سورج اور چاند کی مانند ہے۔''

یعنی زید سورج کی طرح چمکتا ہوا اور چاند کی طرح خوبصورت ہے۔ اس مثال میں زید مشبہ ہے اور مشبہ بہ سورج اور چاند ہیں۔

طرفین تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی چار اور اقسام یوں بھی بیان کی جاتی ہیں:

۱) تشبیہ مفرد بمفرد: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ بھی مفرد ہو اور مشبہ بہ بھی۔

۲) تشبیہ مفرد بمرکب: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ مفرد ہو اور مشبہ بہ مرکب ہو۔

۳) تشبیہ مرکب بمفرد: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ مرکب ہو اور مشبہ بہ مفرد ہو۔

۴) تشبیہ مرکب بمرکب: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مرکب ہوں۔

طرفین تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی چار اور اقسام یوں بھی بیان کی جاتی ہیں:

۱) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں۔

۲) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں۔

۳) مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو۔

۴) مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو۔

واضح رہے کہ تشبیہ اور تشابہ میں فرق ہے۔ تشبیہ اسے کہتے ہیں جس میں وجہ شبہ ''مشبہ بہ'' میں ''مشبہ'' کی نسبت زیادہ کامل درجے میں پائی جاتی ہو' جیسا کہ زید کالأسد میں ''زید'' مشبہ ہے اور 'شیر' مشبہ بہ ہے۔ وجہ شبہ ''شجاعت'' ہے جو مشبہ بہ یعنی شیر میں مشبہ یعنی زید کی نسبت قوی درجے میں پائی جاتی ہے۔ ''تشابہ'' یہ ہے کہ وجہ شبہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں برابر درجے میں موجود ہو۔

اسی طرح اگر مدح میں مشابہت ہو تو ادنیٰ کو اعلیٰ سے تشبیہ دیتے ہیں' جیسا کہ 'زید کالأسد' ہے۔ اس میں ''زید'' صفت شجاعت کے اعتبار سے ادنیٰ ہے اور ''شیر'' صفت شجاعت کے پہلو سے اعلیٰ ہے۔ اس کے برعکس اگر مذمت میں تشبیہ ہو تو اعلیٰ کو ادنیٰ سے تشبیہ دیتے ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝﴾ (القلم) ''کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی مانند کر دیں گے''۔ اس آیت مبارکہ میں ''مسلمان'' مشبہ ہیں جو کہ حقیقت میں اعلیٰ ہیں اور ''مجرمین'' مشبہ بہ ہیں جو حقیقت میں ادنیٰ ہیں۔ اب اعلیٰ کو ادنیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ مدح کے پہلو سے تو مسلمانوں کا درجہ اعلیٰ ہے اور مجرمین کا ادنیٰ لیکن مذمت کے پہلو سے مجرمین کا درجہ اعلیٰ شمار ہوتا ہے اور مسلمانوں کا ادنیٰ۔

تفسیرِ اشاری

حافظ طاہر اسلام عسکری

قرآن وحدیث سے علوم ومعارف کے اخذ واستنباط کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ان میں تأمل وتدبر کیا جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد)

''کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ)) (۱)

''بسا اوقات وہ شخص جسے حدیث پہنچائی جائے' سننے والے سے زیادہ (حدیث کو) یاد رکھ لیتا ہے۔''

وحی الٰہی کا فیضان ہر فرد وبشر کے لیے عام ہے' لیکن یہ امر بھی معلوم ہے کہ اس سے کسبِ فیض کرنے والے یکساں حیثیت کے حامل نہیں بلکہ اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔قرآن شریف میں ہے:

﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾ (الرعد:۱۷)

''اسی نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا۔''

حبر الامت ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس قرآنی ارشاد کی توضیح میں فرماتے ہیں کہ یہاں درحقیقت آسمان سے نزولِ قرآن کی خبر دی گئی ہے اور وادیوں سے مخاطبینِ قرآن کے قلوب واذہان مراد ہیں۔

﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ قال: قرآنا ﴿فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾ قال:اَلاَوْدِیَة:قلوب العباد (۲)

امام ابن کثیرؒ ﴿فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

هو اشارة الى القلوب وتفاوتها فمنها ما يسع علما كثيرا ومنها من لا يتسع لكثير من العلوم بل يضيق عنها(۳)

''اس میں قلوب اور ان کی استعداد اخذ وقبول کے تفاوت کی جانب اشارہ ہے۔بعض دل علوم ومعارف کی کثیر مقدار سمیٹ لیتے ہیں جبکہ کچھ دل ایسے ہوتے ہیں جو تنگیٔ داماں کی بنا پر بہت کم علم حاصل کر پاتے ہیں۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

لا ريب ان الله يفتح على قلوب اوليائه المتقين وعباده الصالحين' بسبب طهارة

قلوبهم لما يكرهه واتباعهم مما يحبه' ما لا يفتح على غيرهم وهذا كما قال علیؓ:
الا فهما يوتيه الله عبدا في كتابه ' وفي الاثر: من عمل بما علم ورثه علم ما لم يعلم '
وقد دل القرآن على ذلك في غير موضع (٤)

''بلاشبہ اللہ عزوجل اپنے متقی دوستوں اور صالح بندوں کے دلوں پر جو اس کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے قلوب کو پاک رکھتے اور اس کے پسندیدہ احکام واوامر کی پیروی کرتے ہیں' ایسے علوم ومعارف کے دروازے کھول دیتا ہے جن سے دوسروں کو محروم رکھتا ہے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی اسی حقیقت کی جانب اشارہ کناں ہے کہ ''ہاں مگر جو اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی کتاب کا فہم عطا فرمادے''۔ اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''جو اپنے حاصل کردہ علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس شے کا علم بھی عطا فرمادیتا ہے جو وہ نہیں جانتا''۔ قرآن شریف نے بھی اس مضمون کو متعدد مواقع پر بیان کیا ہے۔''

علامہ حافظ ابن قیمؒ فہم شریعت میں لوگوں کے مختلف مراتب ومدارج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والمقصود تفاوت الناس في مراتب الفهم في النصوص وان منهم من يفهم من الآية حكمًا او حكمين' ومنهم من يفهم منها عشرة احكام او اكثر من ذلك ومنهم من يقتصر في الفهم على مجرد اللفظ دون سياقه ودون ايمائه واشارته وتنبيهه واعتباره (٥)

''مقصود یہ ہے کہ نصوصِ شریعت کے مراتبِ فہم میں لوگوں میں فرق وتفاوت پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ کسی آیت سے ایک یا دو احکام اخذ کرتے ہیں جبکہ بعض اسی آیت سے دس یا اس سے بھی زائد نکات مستنبط کر لیتے ہیں اور کچھ حضرات فہم کے باب میں محض ظاہر الفاظ ہی تک محدود رہتے ہیں' ان کا ذہن نہ اس کے سیاق وسباق اور ایماء واشارہ کی جانب ملتفت ہوتا ہے اور نہ وہ اس کے اعتبار وتنبیہ ہی کی طرف متوجہ ہو پاتے ہیں۔''

کتابِ الٰہی کی تفہیم وتوضیح میں اربابِ تفسیر کی آراء کا تنوع بھی اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ حکم وبصائر کے اس بحرِ بیکراں سے ہر طالبِ خیر وحکمت اپنے اپنے دامنِ طلب کی وسعت کے بقدر سیراب ہوتا ہے۔ علوم القرآن میں تفسیر کے متنوع اسالیب میں تفسیر اشاری یا صوفیانہ تفسیر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ زیرِ قلم مضمون میں اسی کے مختلف پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا جارہا ہے۔

☆تفسیر اشاری: معنی ومفہوم

اس سے مراد ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر ظاہری الفاظ کو چھوڑ کر ان اشارات کی روشنی میں کی جائے جو اربابِ صفا پر منکشف ہوتے ہیں لیکن قرآن شریف کے ظاہری معانی کا انکار نہ کیا جائے۔ امام عبدالعظیم الزرقانیؒ لکھتے ہیں:

التفسير الاشاري :هو تاويل القرآن على خلاف ظاهره ' لاشارة خفية تظهر لارباب السلوك والتصوف ويمكن الجمع بينها وبين الظاهر المراد ايضًا (٦)

''تفسیر اشاری یہ ہے کہ قرآن مجید کے ظاہر کے برخلاف ان خفیہ اشارات کی روشنی میں قرآن کی شرح کی جائے جو اہل سلوک وتصوف کے قلب وذہن پر وارد ہوتے ہیں۔ اس اشاری تفسیر اور قرآن حکیم کی

ظاہری مراد میں جمع وتطبیق بھی ممکن ہوتی ہے۔''

علامہ محمد علی الصابونی تفسیر اشاری کی تعریف یوں کرتے ہیں:

هو تاويل القرآن على خلاف ظاهره ' لاشارات خفية تظهر لبعض اولى العلم او تظهر للعارفين بالله من ارباب السلوك والمجاهدة للنفس ممن نور الله بصائرهم فأدركوا اسرار القرآن العظيم' او انقدحت فى اذهانهم بعض المعانى الدقيقة ' بواسطة الالهام الهى او الفتح الربانى' مع امكان الجمع بينها وبين الظاهر المراد من الآيات الكريمة (۷)

''اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن حکیم کی تاویل وتوضیح اس کے ظاہری الفاظ کے بجائے ان مخفی اشارات کو سامنے رکھتے ہوئے کی جائے جو اہل علم یا معرفت الٰہی رکھنے والے اربابِ سلوک اور مجاہدۂ نفس میں منہمک اولیائے صالحین کے لیے ظاہر ہوتے ہیں۔ باری تعالیٰ ان نفوسِ قدسیہ کو نورِ بصیرت عطا فرماتا ہے جس سے قرآن شریف کے اسرار وحکم تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے یا الہامِ الٰہی اور فتح ربانی کے ذریعے ان کے قلوب واذہان میں بعض دقیق نکات القا ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ اہلِ معرفت کی نکتہ سنجیوں اور آیاتِ مبارکہ کے ظاہری مفہوم میں جمع وموافقت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔''

یہاں یہ امر بھی پیش نگاہ رہنا چاہیے کہ ایماء واشارہ سے مفاہیم ومعانی کا اخذ واستنباط محض قرآن مجید کی آیاتِ شریفہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ رسولِ معظم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کی شرح ووضاحت میں بھی اسی طرز پر لطیف نکات اخذ کیے جاسکتے ہیں' جیسا کہ آئندہ آنے والی مثالوں سے واضح ہوگا۔

تفسیر اشاری کی مثالیں

قرآن وحدیث سے از روئے اشارہ سمجھے گئے بعض لطیف معانی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں' اگرچہ ان پر بحث ونظر کی گنجائش موجود ہے:

(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ﴾ (الطلاق:۷)

''کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے (حسب حیثیت) خرچ کرے۔''

یہ آیت کریمہ درحقیقت بیوی کے نان ونفقہ سے متعلق ہے' لیکن اربابِ سلوک وتصوف نے بطریق اشارہ اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ واصل اور سالک ہر دو ہدایتِ خداوندی کی نعمت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں لیکن اپنے اپنے مقام ومرتبۂ معرفت کے بقدر۔ چنانچہ ابن عطاء اللہ کے بقول ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرب ووصل کی لذتوں سے آشنا ہیں (الواصلون اليه) اور ﴿مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ﴾ میں ان لوگوں کی جانب اشارہ ہے جو سیر وسلوک کی ابتدائی منازل میں ہیں (السَّائرون اليه)۔ (۸)

(۲) قرآن شریف میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (التوبۃ: ٦٠)

''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں ظاہراً تو مصارفِ زکوٰۃ کا ذکر ہے مگر اربابِ قلوب اشارۃً اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کرتے ہیں کہ دلوں پر مواہبِ الٰہیہ کا فیضان اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب بارگاہِ ایزدی میں تذلل و مسکنت اور فقر و احتیاج کا اظہار کیا جائے۔(۹)

(۳) رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ ذی شان ہے:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ اَوْ صُوْرَةٌ)) (۱۰)

''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو فرشتے وہاں قدم نہیں رکھتے۔''

حدیث مبارکہ کی غرض اس امر پر متنبہ کرنا ہے کہ کتے اور تصویر کی موجودگی گھر میں فرشتوں کے دخول میں رکاوٹ ہے۔ اصحابِ سلوک نے اس سے ایک اور حقیقت کا اشارہ سمجھا ہے کہ معرفتِ الٰہی کا ایسے دل میں داخل ہونا ممکن نہیں جو کلابِ شہوت کی آماجگاہ اور عالم مادّی کی تصاویر سے اٹا پڑا ہے۔

علامہ ابن القیم الجوزیہؒ رقم طراز ہیں:

''میں نے ارشادِ نبوی ﷺ ((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا.....)) کی شرح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنا کہ جب کتا اور تصویر فرشتوں کے گھروں میں داخل ہونے کی راہ میں حائل ہیں تو اللہ عزوجل کی معرفت و محبت، ذکرِ الٰہی کی حلاوت و شیرینی اور قربتِ باری سے اُنس و میلان کا گزر ایسے دل میں کیسے ممکن ہے جو شہواتِ دُنیا کے کتوں اور تصویروں سے پُر ہو۔''(۱۱)

علامہ ابن تیمیہؒ سے قبل اسی حدیث مبارکہ کی تشریح میں امام غزالیؒ نے تحریر فرمایا تھا:

''دل وہ گھر ہے جو ملائکہ اور ان کے آثار و تجلیات کا مہبط و منزل اور ان کا محلِ استقرار ہے جبکہ صفاتِ مذمومہ مثلاً غضب و شہوت، بغض و حسد، تکبر و خود پسندی وغیرہ بھونکنے والے کتوں کی مانند ہیں، اب اس دل میں فرشتوں کا ورود و دخول کیسے ہوسکتا ہے جس میں ہر سو کلابِ شہوت دندناتے پھرتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ ربّ العزت قلبِ انسانی میں نورِ علم کا القا فرشتوں ہی کے ذریعے فرماتا ہے۔''(۱۲)

(٤) نبی مکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَا صَلَاةَ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ)) (۱۳) ''پاکی کے بغیر نماز قابلِ قبول نہیں۔''

اس حدیث شریف کا اصل مقصود اس امر کی وضاحت ہے کہ طہارتِ ظاہری کی عدم موجودگی قبولیتِ نماز کی نفی کرتی ہے۔ اربابِ باطن نے اس کی گہرائی میں اتر کر ایک اور نادر نکتے کی نشاندہی کی ہے کہ:

''جب لباس و بدن کی پاکیزگی نماز کی صحت و قبولیت کی شرط ہے اور اس میں خلل آنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو کیا قلب و باطن کی نجاست و غلاظت دور کر کے اسے پاک و صاف کیے بغیر نماز کی قبولیت کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ یہ بات اگرچہ اپنی جگہ درست ہے کہ اس سے فرض ساقط ہو جائے گا۔ غور کرو تو ظاہری عبادت کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہیں کہ وہ محض طہارتِ قلب و روح کی تکمیل ہے''۔(۱٤)

اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں' جو زیادہ تر تفسیر اشاری یا سلوک وتصوف کی کتابوں میں موجود ہیں۔ چند مزید مثالیں علماء کے ان اقوال میں بھی آ رہی ہیں' جو آئندہ سطور میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

تفسیر اشاری کی شرعی اساس

یہاں طبعًا یہ سوال قاری کے ذہن میں اُبھر سکتا ہے کہ آیا تفسیر اشاری کے لیے کوئی شرعی اصل واساس بھی ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ اس کا وجود اسلام کے عصرِ اول میں بھی تھا یا اس کا ظہور اس وقت ہوا جب تصوف کا چرچا ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن عزیز کے معانی ومطالب کے اظہار وبیان میں تفسیر اشاری کا انداز نیا نہیں بلکہ یہ زمانۂ نزولِ قرآن سے جانا پہچانا ہے اور اصحابِ رسول ﷺ بھی اس سے آگاہ وآشنا تھے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں جن سے 'تفسیر اشاری' پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝۷۸﴾ (النساء)

''اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ بات ہی نہیں سمجھتی۔''

نیز فرمایا:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ﴾ (النساء:۸۲) ''کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝۲۴﴾ (محمد)

''کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔''

مندرجہ صدر آیات میں دراصل قرآن کے باطنی معانی کی جانب توجہ دلائی گئی ہے' کیونکہ قرآن عربوں کی مادری زبان میں اترا اس لیے وہ اس کے ظاہری مفہوم کو تو سمجھتے تھے مگر باطنی مطالب کی طرف ان کی توجہ نہ تھی اسی لیے انہیں آیات قرآنی میں غور وتدبّر کی دعوت دی گئی اور یہی قرآن کا باطنی مفہوم ہے جس سے وہ ناآشنا تھے۔(۱۵)

امام زرکشیؒ نے 'البرھان' اور علامہ سیوطیؒ نے 'الاتقان' میں الفریابی کے حوالے سے سیدنا حسن بصریؒ کی یہ مرسل روایت نقل کی ہے کہ ''ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کی ایک حد ہے اور ایک بلندی۔''(۱۶)

اسی طرح دیلمی نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''قرآن عرش کے نیچے ہے۔ اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ وہ لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرے گا۔''(۱۷)

معلوم رہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔(۱۸)

ان روایات میں ظاہر وباطن کے مفہوم کی تعیین میں کئی اقوال ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ظاہر سے لفظی معنی مراد ہیں اور باطن سے تاویلی مفہوم۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول اقوال میں بھی قرآن کے ظاہر وباطن کی جانب اشارہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر اشاری سے آگاہ اور اس کے قائل تھے۔ ابن ابی حاتمؒ بطریق ضحاکؒ حضرت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ''قرآنی علوم چند انواع واقسام پر مشتمل ہیں' اس کے کئی ظاہر اور کئی باطن ہیں۔''

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''آدمی اُس وقت تک فقیہہ نہیں بن سکتا جب تک قرآن کو (ظاہر و باطن) کئی وجوہ پر مشتمل قرار نہ دے۔''

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص اوّلین و آخرین کے علوم سے آگاہ ہونا چاہے وہ قرآن کا مطالعہ کرے۔''(۱۹)

ظاہر ہے کہ یہ مقصد قرآن کی ظاہری تفسیر سے پورا نہیں ہوسکتا۔(۲۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تفسیر اشاری کا ثبوت بھی ملتا ہے ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ' جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں شرفِ باریابی بخشا کرتے تھے۔ بعض صحابہؓ نے ناراض ہوکر حضرت عمرؓ سے کہا کہ ''ہمارے بھی بیٹے ہیں اور ہم ان کو آپ کی مجلس میں نہیں لاتے' پھر ابن عباسؓ کے آنے کی کیا وجہ ہے؟'' سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ''عنقریب آپ کو پتا چل جائے گا''۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک روز دیگر صحابہؓ کی موجودگی میں ابن عباسؓ کو بھی ملاقات کا شرف بخشا۔ صحابہؓ کو مخاطب کرکے پوچھا کہ آیت کریمہ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ .....﴾ (النصر:۱) کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ بعض صحابہ نے کہا ہمیں اس آیت میں حمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے' بعض خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ابن عباسؓ کی طرف متوجہ ہوکر اس آیت کے معنی دریافت کیے۔ انہوں نے کہا کہ میں دیگر صحابہ کے بیان سے متفق نہیں ہوں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل طبعی قریب آ گئی ہے' اس لیے آپؐ کو اب پہلے سے بھی زیادہ حمد و استغفار کرنا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس ضمن میں میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے۔'' (۲۱)

تفسیر اشاری کی بنیاد ظاہر و باطن کی تقسیم پر رکھی گئی ہے' جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ تاہم اس مقام پر مولانا محمد حنیف ندویؒ کا ایک اقتباس دیا جاتا ہے جس میں انہوں نے الفاظ کے باطنی پہلو پر انتہائی خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ مولانا' علمائے اصول کے نزدیک الفاظ کی مختلف اقسام کی دلالت بیان کرنے کے بعد باطنیہ کے اس موقف کی تردید کرتے ہیں کہ ظاہر و باطن میں تفاوت پایا جاتا ہے' لیکن ساتھ ہی تحریر فرماتے ہیں:

> ''مگر اس کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ فہم و بصیرت کبھی کبھی ایسے ایسے عجیب و غریب معانی کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ دلالت کی ان چاروں قسموں کو اپنی تنگ دامانی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور اس بات کے مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا کہ سرحدِ الفاظ سے پرے بھی کچھ حقائق ہیں اور اطلاق و دلالت کی ان وضعی و منطقی تقسیموں کے علاوہ بھی کچھ معانی ہیں۔ چنانچہ اسی قبیل سے یہ معنی نادر ہیں جس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر خطور ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدۃ:۳) ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا''۔ تو عام حالت یہ تھی کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چہروں پر انبساط و فرحت کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔ پوچھا گیا کہ رونے کا یہ کیا مقام ہے؟ اس ادا شناسِ نبوت نے جواب میں فرمایا کہ یہ آیت جسے تم مژدہ و بشارت سمجھ کر خوش ہو رہے ہو' آیتِ اجل ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب

ہمیں داغِ مفارقت دینے والے ہیں' کیونکہ آپؐ کی زندگی دین ہی کی تکمیل واتمام کے لیے تو تھی اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس کے تقاضے پورے ہو چکے ہیں تو لامحالہ آپؐ کی زندگی کا مصرف بھی ختم ہوگیا۔

یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ اس ڈھنگ کی یہ تفسیر ہے جو حضرت سعدؓ سے منقول ہے کہ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ (البقرۃ:۲۲) ''اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک نہ ٹھہراؤ'' کے معنی انہوں نے یہ بیان کیے کہ اس سے مراد اضداد کی پیروی ہے۔ یعنی یہ شرک ہے کہ بیک وقت تم اللہ کے سامنے بھی جھکو اور نفس کی خواہشات کی پوجا بھی کرو۔

اس طرح کے معانی کے لیے جو سلف اور اہل اللہ سے منقول ہیں' صحیح محمل ڈھونڈنا پڑے گا اور ان لطائف و نکات کی ایک نہ ایک جگہ بہرآئینہ معین کرنا ہی پڑے گی' بشرطیکہ جو بات اس ڈھب کی بیان کی جائے وہ ایسی معقول ہو کہ اس کی کتاب وسنت کے دوسرے شواہد سے تائید ہو سکے۔''(۲۲)

تفسیر اشاری کا حکم اور اہل علم کی آراء

اہل علم اس امر میں مختلف الخیال ہیں کہ تفسیر اشاری جائز ہے یا ناجائز۔ اس سلسلے میں علامہ عبدالعظیم الزرقانی رقم طراز ہیں کہ:

''تفسیر اشاری کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض اسے درست بتاتے ہیں اور بعض ممنوع قرار دیتے ہیں۔''(۲۳)

الشیخ خالد بن عبدالرحمٰن العک اپنی کتاب 'اصول التفسیر و قواعدہ' میں لکھتے ہیں:

''بہت سے علماء اس اندیشے کی بنا پر تفسیر اشاری کے عدم جواز کے قائل ہیں کہ کہیں کلام الٰہی کی تفسیر میں وہ خدا پر بغیر علم وہدایت اور دلیل وبرہان کے من گھڑت الزامات دھرنے کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ رہے وہ علماء جو اسے جائز قرار دیتے ہیں تو انہوں نے اس کے لیے کچھ شرطیں لگائی ہیں جو تفسیر کی عام شرائط کے علاوہ ہیں۔''(۲۴)

اب ذیل میں مختلف اساطینِ علم کی آراء نقل کی جاتی ہیں جن سے 'تفسیر اشاری' کی حیثیت نکھر کر نظر و بصر کے سامنے آجائے گی۔

(۱) امام ابوحامد غزالیؒ

امام غزالیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں ایک آیت کی مثال دے کر فرماتے ہیں کہ محض ظاہر الفاظ کا ترجمہ جان لینے سے قرآن کے حقیقی مفہوم تک نہیں پہنچا جا سکتا بلکہ اس کے لیے دیگر بہت سی چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے اور اگر الفاظ کے اسرار دریافت کرنے اور اس کے مقدمات ولواحق کے باہم مرتبط ہونے میں تمام عمر صرف کر دی جائے تو غالباً اس کے سب لواحق پورے ہونے کے پیشتر ہی عمر تمام ہو جائے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اور کوئی کلمہ قرآن مجید کا ایسا نہیں جس کی تحقیق میں ان جیسے امور کی ضرورت نہ پڑتی ہو مگر علم میں پختہ لوگوں کو اس کے اسرار اس قدر معلوم ہوتے ہیں جس قدر ان کے علم میں کثرت' دلوں میں صفائی' تامل

کرنے کی رغبت میں زیادتی اور طلب میں خلوص ہوتا ہے۔ اور ہر شخص کو ترقی کرنے میں ایک حد ہوتی ہے کہ اس سے اعلیٰ درجہ میں ترقی کر سکتا ہے' مگر یہ ممکن نہیں کہ سارے مدارج طے کر جائے' اس لیے کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے اور تمام درخت قلموں کی صورت اختیار کر لیں تب بھی کلماتِ الٰہی کے اسرار ختم نہ ہوں گے۔ اسی بنا پر لوگ اسرار کی سمجھ میں مختلف ہوتے ہیں' باوجودیکہ ظاہری ترجمہ سب جانتے ہیں مگر تفسیر ظاہری اسرار کے فہم میں کافی نہیں..... یہ اسرار ظاہر لفظوں کے ترجمہ سے معلوم نہیں ہوتے لیکن ترجمہ ظاہری کے مخالف بھی نہیں بلکہ ان سے اس کی تکمیل ہوتی ہے اور ظاہر کے اصل جوہر تک رسائی ہوتی ہے۔ اور باطنی معانی سمجھنے سے ہماری مراد بھی یہی ہے' یہ مراد نہیں کہ وہ معانی ترجمہ ظاہری کے منافی ہوں۔''(۲۵)

(۲) امام ابوعمرو ابن الصلاحؒ

عظیم محدث ابن الصلاحؒ سے جب صوفیہ کے تفسیری اقوال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا:

''مجھے امام ابوالحسن الواحدی کے بارے میں پتا چلا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ابوعبدالرحمٰن السلمی نے ''حقائق التفسیر'' نامی کتاب تحریر کی ہے۔ اگر انہوں نے یہ کتاب تفسیر قرآن ہونے کے اعتبار سے مرتب کی ہے تو کفر کا ارتکاب کیا۔ جب کوئی قابل اعتماد آدمی قرآن کے بارے میں ایسی بات بیان کرتا ہے تو میں (ابن الصلاح) حسن ظن کی بنا پر کہتا ہوں کہ وہ قرآن کی تفسیر نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر باطنیہ اور ایسے لوگوں میں کچھ فرق و امتیاز نہ ہوتا۔ دراصل بات یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ مندرجاتِ قرآن کی تائید و حمایت میں ایسی باتیں کہتے ہیں۔ اس لیے کہ بات سے بات نکل ہی آتی ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں فرمایا: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ (التوبۃ:۱۲۳) ''تمہارے قریب جو کفار رہتے ہیں ان سے لڑو''۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت میں کفار اور خود اپنے نفس سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے' مگر ایسے خیالات کا اظہار قرآن میں مناسب نہیں' اس لیے کہ اس سے غلط فہمیاں اور توہمات پیدا ہوتے ہیں۔(۲۶)

(۳) امام ابن عطاء اللہ سکندریؒ

علامہ سیوطیؒ نقل کرتے ہیں کہ ابن عطاء اللہ سکندری نے اپنی کتاب ''لطائف المنن'' میں لکھا ہے:

''صوفیہ کے گروہ نے قرآن و حدیث کے جو عجیب و غریب معانی بیان کیے ہیں' اس کے یہ معنی نہیں کہ انہوں نے خواہر نصوص کو تبدیل کر دیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ظاہری معانی تو لغت کی مدد سے بسہولت سمجھے جا سکتے ہیں' البتہ آیات و احادیث کے کچھ باطنی معانی بھی ہوتے ہیں جو اس شخص پر منکشف ہوتے ہیں جسے شرح صدر عطا کیا گیا ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظہر ہے اور ایک بطن۔ کسی جھگڑالو شخص کے کہنے پر ان معانی کے اخذ و استفادہ سے رک نہیں جانا چاہیے۔ لوگ کہیں گے کہ فلاں آیت کے اصلی معانی سے عدول کیا گیا ہے' مگر عدول تو جب ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس آیت کے صرف یہی معنی ممکن ہیں اور نہیں۔ ظاہر ہے کہ صوفیہ اس طرح نہیں کہتے۔ وہ ظاہری معانی کو برقرار رکھتے ہوئے القائے ربانی سے باطنی معنی و مفہوم کو سمجھتے ہیں۔''(۲۷)

(۴) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

شیخ الاسلام نے تفسیر اشاری پر اپنے فتاویٰ کے متعدد مقامات میں مفصل بحث کی ہے۔ایک مقام پر لکھتے ہیں:

ومتى كان المعنى صحيحًا والدلالة ليست مرادة فقد يسمى ذلك اشارة وقد اودع الشيخ ابوعبد الرحمٰن السلمى حقائق التفسير من هذا قطعة(۲۸)

''جب کسی لفظ کا معنی درست ہو اور اس کی دلالت اصلاً مقصود نہ ہو تو اسے اشارہ کہا جاتا ہے اور شیخ السلمیؒ نے حقائق التفسیر میں اسی کے مطابق تفسیر سپرد قلم کی ہے۔''

فتاویٰ ہی میں ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

''ارباب اشارات جو اس مفہوم کو برقرار رکھتے ہیں جس پر لفظ دلالت کر رہا ہوتا ہے اور اشاری معنی کو قیاس واعتبار کے پہلو سے بیان کرتے ہیں وہ ان فقہاء کی مانند ہیں جو قیاس واعتبار سے باخبر ہیں۔ چنانچہ جب قیاس صحیح اور فساد و بطلان سے پاک ہو اور اعتبار' انحراف کے بجائے جادۂ مستقیم پر مبنی ہو تو یہ (اشاری مفہوم) برحق ہے۔''(۲۹)

'اشارات' کا مفہوم اور حکم واضح کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے لکھا ہے:

''جو شے بیان کی جا رہی ہے وہ فی نفسہٖ تو حق ہو البتہ اس پر کوئی شخص قرآن وحدیث کے ایسے الفاظ سے استدلال کرے جن سے وہ مراد و مقصود نہ ہو' یہ ہے وہ چیز جسے یہ 'اشارات' کا نام دیتے ہیں..... یہ عمومی معنی کے لحاظ سے تو حق ہی ہوتا ہے' کیونکہ کتاب وسنت سے اس کی صحت پر (عمومی) دلالت ملتی ہے۔ بحث البتہ خاص اس لفظ کی بابت ہوتی ہے جس سے وہ اپنے اس (اخذ کردہ) معنی پر استدلال کرتے ہیں۔اب اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ معنی اس لفظ سے مراد ہے' جو کہ خدا پر جھوٹ ہے۔ چنانچہ جو دعویٰ کرے کہ ﴿تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ (البقرۃ:۶۷) سے مراد 'نفس' ہے اور ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ (النازعات:۱۷) سے مراد 'دل' ہے اور یہ کہ ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ سے مراد سیدنا ابوبکر صدیق' ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ سیدنا عمر فاروق' ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ سے سیدنا عثمان ذوالنورین اور ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ (الفتح:۲۹) سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم مراد ہیں تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے' چاہے دانستہ باندھے یا نادانستہ۔

دوسری یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ بات اس کے معنی کے اعتبار میں آتی ہے اور 'قیاس' کے باب سے ہے نہ کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ لفظ کی اپنی ہی دلالت ہے۔ چنانچہ یہ قیاس کی نوع سے ہوگی۔فقہاء جس شے کو قیاس کا نام دیتے ہیں' صوفیا اسے 'اشارہ' کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ بنابریں جس طرح قیاس دو قسموں میں منقسم ہے یعنی ایک صحیح اور ایک باطل' اسی طرح اشارہ کی بھی یہی دو قسمیں ہیں۔

مثال کے طور پر آیت مبارکہ ﴿لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ (الواقعۃ) کی بابت ایک آدمی کہتا ہے: مراد ہے لوحِ محفوظ یا مصحف قرآنی کو مس کرنا۔ البتہ پھر اس کے بعد کہتا ہے' جس طرح لوحِ محفوظ جس میں قرآنی حروف لکھے ہیں' صرف اور صرف ایک پاک طاہر بدن کے ہی چھونے کا ہے' ایسے ہی قرآن کے معانی بھی کچھ ایسی چیز ہیں جن کا ذوق پانا سوائے کچھ پاکیزہ قلوب کے کسی اور کا حظ نہیں جو کہ متقین کے

قلوب ہیں' تو یہ معنی اور یہ اعتبار بالکل صحیح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ چیز سلف میں سے کئی ایک سے مروی ہے۔ (خصوصاً) جبکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (البقرۃ) ایک اور جگہ فرمایا: ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (آل عمران) ''یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت و موعظت''۔ پھر فرماتا ہے: ﴿يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ (المائدۃ: ۱۶) ''خدا اس کو ذریعۂ ہدایت بناتا ہے سلامتی کے مسالک کی جانب ایسے شخص کے لیے جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتا ہو۔''(۳۰)

(۵) علامہ ابن القیم الجوزیہؒ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید حافظ ابن القیمؒ نے بھی اشارات کے باب میں اپنے استاذ کے نقطۂ نگاہ کی تائید کی ہے۔(۳۱)

خود علامہ موصوف نماز میں قبلہ رخ ہونے کی شرط سے مفہوم اشاری کچھ یوں اخذ کرتے ہیں:

''اشارات ہی کے قبیل سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا اس کی صحت کے لیے لازم ہے۔ خانہ کعبہ' جو کہ بیت رب ہے' کی جانب جب نمازی کا اپنے بدن وقالب سے متوجہ ہونا شرط ہے تو اس شخص کی نماز درجہ صحت کو کیونکر پہنچ سکتی ہے جو ربِ قبلہ و بدن کی جانب اپنی عنانِ توجہ کو ملتفت نہیں کرتا' اس نے بدن کو تو کعبہ کی طرف پھیر لیا ہے لیکن اس کا دل ربِ کعبہ کے بجائے کسی اور کی جانب مائل ہے۔ اس نوع کے اشاراتِ صحیحہ کا اخذ و استنباط صفائے قلب و باطن' صحتِ بصیرت اور حسنِ تدبر کے بغیر ممکن نہیں۔''(۳۲)

(۶) امام ابواسحٰق شاطبیؒ

علامہ شاطبیؒ کہتے ہیں کہ صوفیہ سے یہ اقوال عبرت انگیزی کے نقطہ خیال سے صادر ہوئے تھے۔ تاہم ان کو قرآن کے معانی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ جن صوفیہ سے یہ اقوال صادر ہوئے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم قرآن کی شرح و تفسیر کر رہے ہیں۔ یہ بات صوفیہ کے ساتھ حسن ظن کی آئینہ داری کرتی ہے۔(۳۳)

(۷) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

سورۃ النصر سے وفاتِ رسول اللہ ﷺ پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے استدلال کے تحت علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاراتی مفہوم کی روشنی میں قرآن شریف کی تفسیر کی جا سکتی ہے۔ اس پر وہی شخص قادر ہو سکتا ہے جو علم میں رسوخ رکھتا ہو۔ اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: **الا فهما يوتيه الله رجلاً في القرآن** یعنی ''کوئی خاص شے تو ہمارے پاس نہیں البتہ یہ اور بات ہے کہ باری تعالیٰ کسی پر فہم قرآن کے در وا کر دے۔''(۳۴)

(۸) علامہ سعد الدین تفتازانیؒ

النسفی نے اپنی کتاب ''العقائد'' میں لکھا ہے کہ ''نصوص کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے گا۔ ظاہری معانی

سے عدول کر کے ایسے معنی مراد لینا جن کا دعویٰ باطنیہ فرقہ والے کرتے ہیں' وہ بریت اور الحاد ہے''۔''شرح العقائد'' میں اس کی شرح کرتے ہوئے تفتازانی تحریر کرتے ہیں کہ:

''باطنیہ کو اس نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نصوص سے ان کے ظاہری معنی مراد لینا درست نہیں۔ بخلاف ازیں ان کے باطنی معانی مقصود ہیں' جن سے صرف اہل علم ہی آگاہ ہوتے ہیں۔ باطنیہ کا مقصد دراصل یہ ہے کہ پوری شریعت کی نفی کر دی جائے..... بعض محققین نے جو یہ بات کہی ہے کہ اگرچہ نصوص کو ان کے ظواہر پر محمول کیا جاتا ہے' تاہم ان میں ایسے پوشیدہ اشارات بھی پائے جاتے ہیں جو اربابِ سلوک ہی پر منکشف ہوتے ہیں تو یہ بات ان کے کمالِ ایمان اور تمام عرفان کی غمازی کرتی ہے۔''(۳۵)

(۹) امام محمد بن عبداللہ زرکشیؒ

''البرهان فی علوم القرآن'' کے مصنف امام زرکشی صوفیہ کی تفسیر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''تفسیر قرآن میں صوفیہ کے اقوال درحقیقت تفسیر نہیں بلکہ یہ وہ معانی و مواجید ہیں جو دورانِ تلاوت ان کے قلب و ذہن پر وارد ہوتے ہیں۔''(۳۶)

(۱۰) امام احمد بن محمد ابن عجیبہؒ

امام ابن عجیبہ ''ایقاظ الهمم فی شرح الحکم'' میں لکھتے ہیں:

''ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ﴾ (الانعام:۹۱) صوفیہ اس سے انقطاع الی اللہ اور اس کے ماسوا سے غیبوبت پر استدلال کرتے ہیں۔ یہ تفسیر اشاری ہے' لفظ کے معنی کی وضاحت و تفسیر نہیں۔ کیونکہ یہ آیت مبارکہ یہود کی تردید کے سلسلے میں نازل ہوئی اور صوفیہ' خدا ان سے راضی ہو' ظاہر کو برقرار رکھتے ہوئے ایسے مخفی اشارات تک رسائی پاتے ہیں' جن کا مقصود و مفہوم ان کے سوا کوئی اور سمجھ نہیں پاتا۔ اسی بنا پر بعض مفسرین ان پر جرح و تنقید کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے مقصود سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ﴾ (البقرۃ:۶۰)(۳۷)

ابن عجیبہ اپنی اسی کتاب میں ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:

''اربابِ باطن کی تفسیر' اشارہ ہے نہ کہ معنی کی تفسیر۔''(۳۸)

(۱۱) علامہ عبدالعظیم زرقانیؒ

علامہ زرقانیؒ نے اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں تفسیر اشاری پر مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے تفسیرِ مذکور کی قبولیت کے شرائط بھی بیان کیے ہیں جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے' تاہم بحث کے اختتام پر انہوں نے نصیحتِ خالصہ کے عنوان سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طریق تفسیر کو کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں سمجھتے۔ ان کی نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ ''بعض لوگ اس طرح کے اشارات و تصورات کے درپے ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں یہ احساس جاگزیں ہو جاتا ہے کہ کتاب و سنت بلکہ پورا اسلام ہی اس نوع کے واردات و سوانح کا نام ہے۔ مزید برآں وہ اس زُعم کا شکار ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہ باور کراتے ہیں کہ

وہ اہل حقیقت ہیں' انہوں نے غایت کو پالیا ہے اور خدا سے ایسا تعلق استوار کرلیا ہے کہ احکامِ شریعت ان سے ساقط ہوگئے ہیں۔ یہ باطنیہ کے طرزِ عمل کی مانند ہے۔ ہماری اپنے بھائیوں کو یہ نصیحت ہے کہ وہ اس طرح کی پیچیدہ تاویلات سے گریز کریں جو صوفیہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس لیے کہ یہ سراسر اذواق ومواجید پر مبنی ہیں جو قواعد وضوابط کی حدود سے ماوراہیں' ان میں حقیقت وخیال اور حق وباطل باہم مختلط ہیں۔ صاحبِ فہم وخرد کو ان خطرناک تاویلوں سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔ کتاب وسنت اور ان کی شروح (پر اکتفا کرنے) کو رہنما بنانا چاہیے۔ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہونا اس آیت کا مصداق ہے: ﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾ (البقرۃ:٦١) اور فرمانِ نبویؐ ہے: ''جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرلیا۔'' نیز فرمایا: ''جو چیز تمہیں شکوک میں مبتلا کرے اسے چھوڑ کر وہ شے اختیار کرو جو شک وشبہ سے بالاتر ہو۔''(٣٩)

(١٢) الشیخ الطاہر ابن عاشور

ابن عاشور اپنی تفسیر ''التحریر والتنویر'' میں لکھتے ہیں:

''صوفیہ میں سے اہلِ اشارات نے قرآن کریم کی بعض آیات کے ایسے معانی بیان کیے ہیں جو الفاظِ قرآنی سے مناسبت نہیں رکھتے بلکہ تاویل وتوجیہہ کے ذریعے ماخوذ ہیں' تو معلوم ہونا چاہیے کہ اربابِ تصوف کا یہ دعویٰ نہیں کہ ان کا کلام قرآن کی تفسیر ہے۔ ان کا کہنا صرف یہ ہے کہ آیت کے ان اشاری معانی کے متکلم کی غرض میں شامل ہونے کی گنجائش موجود ہے اور اتنا ہی کافی ہے کہ وہ انہیں اشارات کا نام دیتے ہیں نہ کہ معانی کا۔''

علامہ الطاہرؒ نے ان ''اشارات'' کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اہل علم کا اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام غزالیؒ تو ان کو مقبول سمجھتے ہیں' لیکن ابن العربی المالکیؒ (''العواصم'' کے مصنف) انہیں باطل قرار دیتے ہیں۔ علامہ موصوف کی ذاتی رائے کے مطابق 'اشارات' تین قسموں سے باہر نہیں:

(١) آیت میں مذکور معانی کو کسی صورت حال پر بطور تمثیل منطبق کیا جائے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ﴾ (البقرۃ:١١٤) سے یہ اشارہ اخذ کرنا کہ جو معرفتِ الٰہی کے ذریعے اپنے قلب ونفس کا تزکیہ نہیں کرتا' اس سے پیدا ہونے والی صفاتِ کمال کو دل میں داخل ہونے سے روکتا ہے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ گویا اس کو مساجد میں ذکر الٰہی سے روکنے والے شخص کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(٢) کسی آیت سے بطور تفاؤل کوئی نکتہ اخذ کرنا۔ ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جب قلب وذہن کسی معاملے کی جانب متوجہ ہو تو آیت سے بھی توجہ اسی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ جیسے فرمان خداوندی ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ.....﴾ (البقرۃ:٢٥٥) سے یہ نکتہ سمجھنا کہ اس میں نفسِ انسانی کی جانب اشارہ ہے' جب اسے قابو میں کرلیا جائے تو انسان شفعاء مقربین میں شامل ہوجاتا ہے۔ علامہ ابن عاشور کے بقول الشیخ محی الدین اس قسم کو 'سماع' کا نام دیتے تھے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ آیت سے بطریق عبرت ونصیحت کوئی مفہوم ومطلب اخذ کیا جائے۔ چنانچہ جو اہلِ نظر، نفسِ بیدار کے مالک ہوتے ہیں وہ ہر شے سے نفع حاصل کرتے اور ہر جگہ سے حکمت ونصیحت اخذ کرتے ہیں۔ جیسے آیت مبارکہ ﴿فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝۱۶﴾ (المزمل) سے یہ مفہوم لینا کہ جو شخص پیغمبرِ معارفِ علیا کی تعمیل حکم نہیں کرتا اس کا انجام ہلاکت ومصیبت ہے۔

مذکورہ تین اقسام بیان کرنے کے بعد علامہ موصوف نے واضح کیا ہے کہ یہ ''اشارات'' لفظ کی دلالت اور اس کے لوازم وتوابع قرار نہیں دیے جاسکتے بلکہ قرآن کی طرف ان کی نسبت مجازی ہے۔ ان اقسام کے علاوہ اشاری نکات باطنی تفسیر کے قریب جا پہنچتے ہیں۔ (۴۰)

(۱۳) علامہ محمد حسین الذہبیؒ

علامہ ذہبیؒ نے علوم القرآن پر اپنی شاندار کتاب ''التفسیر والمفسرون'' میں اس حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ان کی رائے میں:

''تفسیر اشاری چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے اور صوفیاء نے تفسیر اشاری کے نام پر جو نکات بیان کیے ہیں ان کے قابل قبول معانی بھی ہیں، لیکن ان میں ایسے مطالب بھی ہیں جن کو عقل وشریعت قبول نہیں کرسکتی۔'' (۴۱)

بعد ازاں انہوں نے ہر دو کی مثالیں پیش کی ہیں اور کہا ہے کہ انہیں تفسیر قرار نہیں دینا چاہیے بلکہ انہیں مشابہ ومماثل کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کے موضوع سے ملتی جلتی ہیں۔

(۱۴) الشیخ عبداللہ بن یوسف الجدیع

الشیخ عبداللہ اپنی کتاب ''المقدمات الاساسیة فی علوم القرآن'' میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے سطور بالا میں درج شدہ تفصیلی اقتباسات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تفسیر اشاری بالکلیہ رد کیے جانے کے لائق نہیں، بلکہ اس میں صحیح اور مقبول نکات بھی ہیں۔'' (۴۲)

بعد ازاں انہوں نے امام ابن القیمؒ سے اس تفسیر کی قبولیت کے شرائط بیان کیے ہیں جن کا تذکرہ اگلی سطور میں آرہا ہے۔

(۱۵) الشیخ مناع القطان

''مباحث فی علوم القرآن'' کے مصنف الشیخ مناع القطان تفسیر اشاری کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''جب مخفی اشارات کے باب میں غلو اور مبالغہ آمیزی سے کام لیا جائے تو تفسیر اشاری، تحمل قرار پاتی ہے۔ البتہ اس صورت میں یہ مقبول ہے جب ظاہر عربیت کے مقتضی کے موافق ہو اور بغیر کسی معارض کے اس کی درستی کے لیے کوئی دلیل موجود ہو۔'' (۴۳)

(۱۶) علامہ محمد مالک کاندھلویؒ

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی قدس اللہ روحہٗ اپنی کتاب ''منازل العرفان'' میں ''تفسیرِ کلام اللہ

میں حضرات صوفیاء وعارفین کے اقوال'' کے زیرعنوان تحریر فرماتے ہیں:

''بعض آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر میں عارفین اور صوفیاء سے کچھ لطائف اور اشارات منقول ہوتے ہیں جو سلوک وطریقت اور تصوف کے نکات کے درجہ میں ہوتے ہیں' وہ اصل تفسیر نہیں ہوتے بلکہ اصل تفسیر تو وہی ہے جو حدیث مرفوع' اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ومنقول ہوئی۔ اس تفسیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ لطائف قابل اعتبار ہوتے ہیں۔''(٤٤)

(۱۷) الموسوعة القرآنية المتخصّصة

مصر کی وزارتِ اوقاف کے تحت ''المجلس الاعلٰی للشؤون الاسلامية'' کی زیرنگرانی تیار کیے جانے والے قرآنی انسائیکلوپیڈیا میں تفسیر اشاری کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ ''یہ باطل ہے کیونکہ تفسیر میں اس کی بنیاد وجدان پر رکھی گئی ہے۔''(٤٥)

(۱۸) مصطفٰی دیب البغا اور محی الدین دیب مستو

''الواضح فی علوم القرآن'' مذکورہ دونوں اصحاب کی مشترکہ تالیف ہے۔ اس میں تفسیر اشاری کا مفہوم بیان کرکے اس کا حکم ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''(باطنی تفسیر کی طرح) یہ بھی باطل اور گناہ ہے' بلکہ اس کا اعتقاد رکھنے والے کے بارے میں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اسلام سے خارج نہ ہو جائے اور اگر اسے تفسیر باطنی سے ملا دیا جائے تو یہ بھی بعید نہیں..... ہاں البتہ اگر تفسیر اشاری اس اساس پر ہو کہ نصوص کے ظاہری معانی کو تو اعدِ لغت اور دیگر شرعی نصوص کی روشنی میں ثابت مانا جائے تو اُمید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ علمائے اصول کا یہ قول بھی اس تفسیر سے قریب تر ہے جو انہوں نے آیت کریمہ ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ:۲۳۳) ''اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان (ماؤں) کا روٹی کپڑا ہے جو دستور کے مطابق ہو'' سے اخذ کیا ہے کہ یہ آیت اس باب میں نص ہے کہ بیوی کا نفقہ خاوند پر واجب ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ بچے کا نسب باپ کی طرف منسوب ہوگا۔''(٤٦)

تفسیر اشاری کی قبولیت کی شرائط

تفسیر اشاری کے جواز وقبول کی شرائط بیان کرتے ہوئے علامہ ابن القیم الجوزیہ رقم طراز ہیں:

''تفسیر اشارہ وقیاس جسے بہت سے صوفیاء نے اپنی توجہات کا مرکز ٹھہرایا ہے' چار شرائط کے ساتھ قابل قبول ہے: (۱) آیت کے معنی ومفہوم سے متصادم نہ ہو۔ (۲) بطریقِ اشارہ بیان کردہ نکتہ فی نفسہ درست ہو۔ (۳) الفاظ سے ذہن اس کی جانب ملتفت ہوتا ہو۔ (۴) اشاری نکتے اور آیت کے معنی میں تلازم و مناسبت پائی جائے۔ جب یہ چاروں امور جمع ہوں تو یہ اچھا استنباط قرار پائے گا۔''(٤٧)

الشیخ مناع القطان (٤٨) اور الشیخ عبداللہ بن یوسف الجدیع (٤٩) نے بھی یہی شرائط بیان کی ہیں۔ علامہ خالد بن عبدالرحمٰن العک مذکورہ شروطِ اربعہ کے تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

''تفسیر اشاری میں بحث ونظر کے دوران ان شرائط کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ اگر یہ شرائط پورے طور پر موجود

ہوں تو معاملہ مقبول ہوگا اور ان کی عدم موجودگی میں مسترد قرار دیا جائے گا۔''(۵۰)

علامہ عبدالعظیم الزرقانیؒ نے لکھا ہے کہ تفسیر اشاری درج ذیل پانچ شرائط کے بغیر مقبول نہیں:

(۱) قرآن کریم کے نظم سے حاصل شدہ ظاہری معنی کے منافی نہ ہو۔

(۲) یہ دعویٰ نہ کیا جائے کہ ظاہری مفہوم کے بجائے یہی باطنی معنی اصلاً مراد ہیں۔

(۳) اشاری معنی بعید اور نامعقول' کمزور یا کچر قسم کے نہ ہوں۔ جیسا کہ بعض حضرات نے ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (العنکبوت) میں لمع کو فعل ماضی اور المحسنین کو اس کا مفعول قرار دیا ہے۔

(۴) اس کا کوئی عقلی اور شرعی معارض نہ ہو۔

(۵) کوئی شرعی دلیل اس کی تائید کرے۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

''علماء نے یہ شرطیں اسی طرح بیان کی ہیں' لیکن دیکھا جائے تو یہ ایک دوسرے میں داخل ہیں' چنانچہ پہلی شرط کی موجودگی میں تیسری کی ضرورت نہیں رہتی اور پانچویں کو ملحوظ رکھا جائے تو چوتھی شرط کا خاص فائدہ نہیں۔ مناسب ہے کہ ان کے بجائے دو اور شرائط کا خیال رکھا جائے: ایک یہ کہ پہلے وہ مفہوم بیان کیا جائے جس کے لیے قرآنی لفظ وضع کیا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ سننے والے کا قلب و ذہن اس تفسیر اشاری سے اضطراب و تشویش کا شکار نہ ہو جائے۔

یہ ہیں تفسیر اشاری کے مقبول ہونے کی شرائط' مقبول ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسے ردّ نہیں کیا جائے گا اور بس۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کی اتباع لازم ہوگئی ہے یا اسے تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اسے مسترد اس لیے نہیں کریں گے کہ یہ ظاہر قرآن کے منافی نہیں' مزید برآں تعلیماتِ شریعت میں اس کا شاہد بھی موجود ہے جو اس کی تقویت کا باعث ہے اور اس طرح کی کسی بھی شے کا انکار مناسب نہیں۔ رہا یہ امر کہ اسے ماننا واجب نہیں تو یہ اس بنا پر ہے کہ نظم قرآنی اس مفہوم پر دلالت کے لیے وضع نہیں ہوا بلکہ یہ الہامات کے قبیل سے ہے جو صاحبِ الہام پر منکشف ہوتے ہیں' لیکن نہ زبان و بیان کے ضابطوں کے پابند ہوتے ہیں اور نہ انہیں کسی قسم کے قوانین سے مقید کیا جا سکتا ہے۔''(۵۱)

تفسیرِ اشاری کا باطنیہ اور متصوفہ کی تفاسیر سے فرق و امتیاز

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر باطنیہ اور متصوفہ کی تفاسیر سے اشاری تفسیر کے فرق و امتیاز کی بھی وضاحت کر دی جائے۔

(۱) تفسیر اشاری اور تفسیر متصوفہ

تفسیر متصوفہ کے مفہوم کی معرفت سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ تصوف کی دو قسمیں ہیں:

ایک نظری تصوف کہلاتا ہے جو کہ بحث و تحقیق پر مبنی ہے اور دوسرے کو عملی تصوف کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی اساس زہد و تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس اعتبار سے صوفیہ کی تفسیر بھی دو قسموں میں منقسم ہے: نظری تصوف پر مبنی تفسیر کو نظری صوفیہ کی تفسیر کہا جاتا ہے' جبکہ دوسری قسم تفسیر اشاری یا تفسیر فیضی کہلاتی ہے' جس کی تفصیلات اوپر بیان

ہوئی ہیں۔ان دونوں میں دو طرح سے فرق کیا جاسکتا ہے:

(۱) نظری صوفیہ کی تفسیر چند علمی مقدمات پر مبنی ہوتی ہے جو پہلے صوفی کے ذہن میں آتے ہیں (مثلاً وحدۃ الوجود وغیرہ) اور اس کے بعد وہ قرآن کو ان پر محمول کرتا ہے بخلاف ازیں تفسیر اشاری کی اساس علمی مقدمات پر نہیں رکھی جاتی بلکہ یہ روحانی ریاضت کے زیر اثر ہوتی ہے۔صوفی ریاضت کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر عبادت کے پردے میں کچھ اشاراتِ قدسیہ منکشف ہونے لگتے ہیں اور اس طرح آیات میں جو معارف وحقائق ہوتے ہیں' وہ ابرِ غیب سے اُس پر برس پڑتے ہیں۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ نظری صوفی کسی آیت کی جو تفسیر کرتا ہے اس کے بارے میں اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ آیت اس کے ماسوا کسی دوسرے مفہوم کی متحمل ہی نہیں۔اس کے برعکس تفسیر اشاری میں صوفی کا نقطہ نگاہ یہ ہوتا ہے کہ آیت میں دوسرے معانی کی گنجائش ہے بلکہ وہ ظاہری معنی ہیں اور ذہن انسانی سب سے پہلے ان کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔(۵۲)

علامہ محمد حسین الذہبیؒ کے بقول نظری تفسیر کی اساس و بنیاد ابن عربی نے رکھی۔موصوف کی شخصیت انتہائی متنازع ہے۔بعض انہیں ''شیخ اکبر'' قرار دیتے ہیں جبکہ بعض ان کی تکفیر تک جا پہنچے ہیں۔الشیخ عبداللہ بن یوسف الجدیع لکھتے ہیں:

وهو متهم فی دینه عند جمهور ائمة المسلمین' ومنهم من کفره۔ وهو رأس القائلین بفکرة وحدة الوجود' وزعم لنفسه انه خاتم الاولیاء' وتکلم بالالفاظ الکفریة' وله تفسیره علی طریقته (۵۳)

''اہل اسلام کے جمہور ائمہ کی نگاہوں میں ابن عربی کا دین مشکوک ہے۔ان میں سے بعض نے تو اسے کافر بھی قرار دیا ہے۔یہ قائلینِ نظریہ وحدت الوجود کا سرخیل ہے۔یہ اپنے آپ کو خاتم الاولیاء سمجھتا تھا اور کفریہ الفاظ بولا کرتا تھا۔اس نے اپنے مذہب کے مطابق ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔''

لیکن بہت سے علماء شیخ ابن عربی کی مدح وتحسین کرتے ہیں اور انہیں شیخ اکبر کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ برصغیر کے علمائے اہل حدیث میں سے سید نذیر حسین محدث دہلویؒ اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ان کے بارے میں معتدل رویہ رکھتے ہیں۔(ملاحظہ ہو: فتاویٰ ثنائیہ از امرتسری۔معیار الحق از محدث دہلوی)

ابن عربی کے طرزِ تفسیر کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔قرآن شریف میں ہے:

﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۶﴾ (البقرۃ)

''برابر ہے کہ آپ ان کو خبردار کریں یا نہ کریں' وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

موصوف کے مطابق اس کی تفسیر یہ ہے کہ:

''اے محمد ﷺ! کفر کرنے والوں کو چھوڑیے' انہوں نے اپنی محبت کو میرے اندر چھپا رکھا ہے۔برابر ہے کہ آپ ان کو اس وعید کے ساتھ ڈرائیں جو دے کر ہم نے آپ کو بھیجا ہے یا نہ ڈرائیں' وہ آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔اس لیے کہ میرے سوا وہ کسی چیز کا شعور ہی نہیں رکھتے۔وہ آپ پر کیسے ایمان لاسکتے ہیں

جبکہ میں نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اپنے سوا کسی اور کے لیے گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے' وہ میرے سوا کسی کی بات سن ہی نہیں سکتے۔ ان کی آنکھوں پر پردہ ہے' چنانچہ وہ میرے سوا اور کسی کو دیکھتے ہی نہیں۔''(٥٤)

علامہ محمد حسین ذہبیؒ نے موصوف کی تفسیر کی اور بھی بہت سی مثالیں دی ہیں اور بحث کے آخر میں لکھا ہے:

''ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ایسی تفسیر کے جواز کے لیے عذر تراشی سے کام لیں جو فاسد نظریات پر مبنی ہے اور جس کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو دین اسلام بیخ و بُن سے اکھڑ کر رہ جاتا ہے۔ ابن عربی اور ان کے ہمنواؤں نے عالم علوی و سفلی' ملائکہ' روح' عرش و کرسی اور دیگر موجودات کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اگر ہم ان سے چشم پوشی بھی کر لیں تو بھی وحدت الوجود پر مبنی تفسیر سے اغماض برتنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اگر بادلِ نخواستہ ہم ان صوفیاء سے صرفِ نظر بھی کر لیں جنہوں نے وجد کے عالم میں خود نا آشنا ہوتے ہوئے کچھ شدید الفاظ کہے۔ مثلاً کسی نے خود فراموشی کے عالم میں اَنَا الْحَقّ تک کہہ دیا' تو بھی ہم ان صوفیاء کو معاف نہیں کر سکتے جنہوں نے دیدہ و دانستہ بقائمی ہوش و حواس اس قسم کی تفسیر مرتب کی''۔(٥٥)

تفسیر صوفی نظری کے بارے میں ''الموسوعة القرآنية المتخصّصة'' میں لکھا ہے کہ:

''یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ شذوذ پر مبنی فکر و نظریہ ہے جسے پھیلانے کے لیے تفسیر قرآنی کی شکل و ہیئت اور قرآنی بیان کے لبادے میں پیش کیا جا رہا ہے''۔(٥٦)

ب) تفسیر اشاری اور باطنی تفسیر

باطنیہ کا اطلاق کچھ گمراہ فرقوں اور فاسد گروہوں کے مجموعہ پر کیا جاتا ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نصوصِ شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن اور وحی و تنزیل کے ہر لفظ کی ایک خاص تاویل ہے۔ ان کے القاب و انواع بہت ہیں' مثلاً قرامطہ' الخرمیہ' اسماعیلیہ' نصیریہ' دروز' بدیعیہ' نزاریہ' مستعلیہ' بابیہ' بہائیہ' بوہرہ' آغا خانی وغیرہ۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر زمانے میں ایک برحق امام معصوم کا ہونا ناگزیر ہے تاکہ تاویلِ ظواہر کے لیے اس کی جانب رجوع کیا جا سکے۔(٥٧)

امام غزالیؒ نے باطنیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''یہ ایسا مذہب ہے جس کا ظاہر رفض اور باطن کفرِ محض ہے۔ اس کا اصل یہ ہے کہ علوم و معارف کا ادراک امام معصوم کے قول پر منحصر ہے۔''(٥٨)

ظاہر اور باطن کا قضیہ

باطنیہ کے مسلک کی حقیقی بنیاد یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان دونوں میں تفریق پائی جاتی ہے۔ اصل مقصود باطن ہے' ظاہر نہیں۔ یہاں غور و فکر کی سطح پر یہ سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ آیا ظاہر و باطن کی تقسیم بالکل غلط اور یک قلم مسترد کیے جانے کے لائق ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟ محقق عالموں کی آراء دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ چنانچہ چند علماء کی آراء پیش خدمت ہیں:

☆ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں کہ:

''نصوص میں ظاہر و باطن کا دعویٰ اپنے دامن میں اجمال و اشکال لیے ہوئے ہے اور تفصیل و وضاحت کا متقاضی ہے' جو درج ذیل ہے:

(۱) باطن سے مراد یا تو باطنی امور ہوں گے' مثلاً قلبی احوال و معارف اور انبیاء علیہم السلام کے بیان کردہ غیبی معاملات کا علم۔ (۲) یا پھر اس سے علم باطن مقصود ہوگا یعنی جو اکثر لوگوں کے فہم سے مخفی رہتا ہے یا اس شخص کی سمجھ سے ورے ہوتا ہے جو محض ظاہر تک ہی محدود رہتا ہے۔

جہاں تک پہلے مفہوم کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علم ظاہر سے بھی تعلق رکھتا ہے' جیسے اعضاء و جوارح کے اعمال' اور باطن سے بھی متعلق ہوتا ہے' یعنی قلب و ذہن کے اعمال۔ پھر علم عالم شہادت کا بھی ہوتا ہے جس کا لوگ اپنے حواس سے مشاہدہ کرتے ہیں اور حواسِ انسانی سے پوشیدہ عالم غیب سے بھی علم کا تعلق ہوتا ہے۔ اس علم کے باب میں لوگوں میں بہت کچھ تفاوت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کے باطنی حقائق اور انبیاء کرام کی بتائی ہوئی اخبارِ غیب میں سے بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں محض خاص خاص لوگ ہی جانتے ہیں۔ پس یہ علم دو پہلوؤں سے باطن قرار پاتا ہے۔ ایک یہ کہ معلوم شے باطن ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ علم ہی باطن ہو اور اکثر لوگوں کو اس کی معرفت نہ ہو..... اس میں سے جو کتاب و سنت سے موافق ہوگا وہ حق اور جو ان کے برخلاف ہوگا وہ باطل سمجھا جائے گا جیسا کہ ظاہری امور کا معاملہ ہے۔

رہا باطن کا دوسرا مفہوم یعنی یہ علم خفی ہے جس کا فہم اکثر لوگوں سے مخفی رہتا ہے' تو یہ دو قسموں پر ہے:

اوّل یہ کہ باطن' علمِ ظاہر کے مخالف و منافی ہو۔ دوم یہ کہ مفہومِ باطن' علمِ ظاہر کے خلاف نہ ہو۔

پہلا سراسر باطل ہے اور اس کا مدعی یا تو ملحد زندیق ہے یا جاہل و گمراہ۔ یہ اسی کی مثل ہے جس کا دعویٰ باطنیہ قرامطہ کے مختلف گروہ اسماعیلیہ اور نصیریہ وغیرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو اس باب میں ان سے متفق ہیں' یعنی فلاسفہ' غالی صوفیہ اور متکلمین۔

دوسرا وہ باطن جو علمِ ظاہر کے منافی نہیں تو یہ علم ظاہر ہی کی مانند ہے' یعنی کبھی مبنی برحق و صواب ہوگا اور کبھی باطل و فاسد۔ ان کے حق و باطل کا فیصلہ کتاب و سنت سے موافقت یا مخالفت کی بنیاد پر ہوگا۔ اگر یہ حق ہوا تو قابل قبول اور باطل ہوا تو مردود' بصورت دیگر اس سے اجتناب کیا جائے گا۔''(۵۹)

☆ امام ابوحامد غزالیؒ (جو کہ خود تصوف و طریقت کے دلدادہ ہیں) فرماتے ہیں:

''معلوم رہے کہ سب سے پہلے ظاہری تفسیر کو ذہن نشین کرنے سے غفلت و سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ظاہر کو پختہ کیے بغیر باطن تک پہنچنے کا حریص ہونا چاہیے۔ جو شخص اسرارِ قرآنی کے فہم کا دعویٰ کرتا ہے مگر ظاہری تفسیر میں رسوخ و پختگی سے تہی دامن ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے دروازہ عبور کیے بغیر گھر کے مرکز تک پہنچنے کا دعویٰ کیا جائے یا یہ دعویٰ کرے کہ میں ترکوں کے کلام کا مطلب سمجھ لیتا ہوں حالانکہ ترکی زبان کے مقاصد نہ سمجھتا ہو' اس لیے کہ ظاہری تفسیر لغت سیکھنے کی طرح ہے جو کہ حصولِ فہم کے لیے ناگزیر ہے۔'' (۶۰)

☆ خلاصہ

مذکورہ بالا تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ ظاہر و باطن مجمل الفاظ ہیں جو حق و باطل دونوں کا احتمال رکھتے

ہیں۔ اگر ظاہر سے مقصود شریعت کا ظاہر اور ظاہری عبادات ہوں' مثلاً اقامتِ صلوٰۃ' ایتاءِ زکوٰۃ' صیامِ رمضان' فریضۂ حج کی بجاآوری اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ تو یہ حق اور درست ہے۔ اسی طرح جب باطن سے وہ خفیہ امور مراد لیے جائیں جو قلوب سے تعلق رکھتے ہیں اور وجوبِ اخلاص یا تصحیح نیت و مقصد کا مفہوم پیش نظر ہو تو یہ شرعی مطلب ہے۔ لیکن باطنیہ نے اس کے بجائے یہ موقف اپنایا ہے کہ ظاہر و باطن میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی اور ظاہر کے بجائے باطن ہی اصلاً مقصود ہے۔ اس سے باطنیہ کے پیش نظر دو مقاصد تھے:

ایک یہ کہ اسلامی افکار و تعلیمات میں تشکیک پیدا کی جائے۔ یہ دراصل مسلمان نہ تھے بلکہ مجوسی تھے' جب انہوں نے اسلام کو پھیلتے دیکھا تو حسد میں مبتلا ہو گئے اور اسے نقصان پہنچانے کے لیے حیلہ جوئی سے کام لیتے ہوئے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ (٦١)

دوسرا مقصد خواہشاتِ نفس کی تکمیل تھی۔ مولانا محمد حنیف ندویؒ لکھتے ہیں:

''باطنیہ کی اصل مجبوری جھوٹی اور سطحی نوعیت کی عقل پرستی تھی۔ انہوں نے تسکینِ نفس کے لیے ایسے عقائد و تصورات گھڑ لیے تھے اور زندگی کے چلن کو اس طرح اباحت و تعطل کی آلائشوں سے آسودہ کر رکھا تھا کہ قرآن کی نصوص قطعی اور واضح ہدایات کی روشنی میں ان کی تائید نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے انہوں نے قرآن کے ظاہر سے ہٹ کر اس کے منفرد باطنی معنی پر خصوصیت سے زور دیا' تاکہ تاویل و تفسیر کے ایسے انداز و اسلوب کے لیے گنجائش پیدا کر سکیں جو ان کی ملحدانہ خواہشات کو پورا کر سکے۔'' (٦٢)

علامہ عبدالعظیم الزرقانی باطنی اور اشاری تفسیر میں فرق واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''صوفیہ ظاہری تفسیر سے منع نہیں کرتے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لازم ہے..... جبکہ باطنیہ کا کہنا ہے کہ ظاہری مفہوم بالکل مراد ہی نہیں ہوتا بلکہ محض باطن ہی مقصود ہوتا ہے اور ان کا مقصد شریعت کی نفی کرنا ہے۔'' (٦٣)

یہ تو تھیں باطنیہ اور متصوفہ کی تفاسیر سے تفسیر اشاری کے فرق و امتیاز کے بارے میں اہل علم کی آراء و توضیحات' لیکن تفسیر کی مذکورہ اقسامِ ثلاثہ پر ڈاکٹر صبحی صالح کا تبصرہ قدرے مختلف ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک باطنیہ کی تفسیروں کا تعلق ہے جو قرآن کے ظاہر کو نظر انداز کر کے محض اس کے باطن ہی سے معانی اخذ کرتے ہیں' تو ان تفاسیر میں سوائے فاسد تاویلوں کے اور کچھ نہیں جو اصول شریعت اور قواعد لغت' ہر دو کی مخالفت پر مبنی ہیں۔ مزید برآں باطنیہ کی تفاسیر' متصوفہ اور اشاری تفسیروں کے مقابلے میں قرآن کریم کے نظم و ترتیب سے بہت زیادہ بعید ہیں' اگرچہ یہ تینوں طرح کی تفسیریں اس امر میں مشترک ہیں کہ ان میں ظاہر قرآن سے مخالفت پائی جاتی ہے اور ایسے معانی کی تلاش کی خواہش ہوتی ہے جن کی خدا نے کوئی دلیل نہیں اُتاری۔'' (٦٤)

☆تفسیر اشاری کی حیثیت' قولِ راجح

مندرجہ بالا بحث سے جہاں متصوفہ اور باطنیہ کی تفسیروں سے تفسیر اشاری کا فرق و امتیاز واضح ہوتا ہے وہیں اس کے شرائطِ قبول بھی نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ ان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اربابِ سلوک کے اشارات'

جنہیں تفسیر اشاری کا نام دیا جاتا ہے' حقیقتاً تفسیر نہیں ہیں' البتہ اوپر بیان کردہ شرائط وضوابط کی روشنی میں انہیں قبول کیا جاسکتا ہے۔ یہ معاملہ چونکہ سراسر ذوق ووجدان پر اساس پذیر ہے' لہٰذا نہ تو کسی کو اس کے ماننے پر مجبور کیا جاسکتا ہے' نہ بالکلیہ اس کا انکار ہی مستحسن روش ہے۔ واللہ اعلم!

☆تفسیر اشاری کی چند عجیب وغریب مثالیں

صوفیہ کی تفسیر اشاری کی بعض مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کے سامنے عقلِ انسانی عاجز وقاصر رہ جاتی ہے اوران کے لیے کوئی صحیح محمل تلاش نہیں کر پاتی۔ اس نوعیت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران:۹۶)

''سب سے پہلا گھر جسے لوگوں کے لیے بنایا گیا۔''

سہل تُستریؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اوّلین گھر سے خانہ کعبہ مراد ہے۔ یہ اس آیت کے ظاہری معنی ہیں۔ باطنی معنی کے مطابق اس سے رسول کریم ﷺ مراد ہیں جن پر ایک موحد شخص ہی ایمان لاسکتا ہے۔''(۶۵)

(۲) ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ﴾ (یٰسٓ)

''اور مردہ زمین ان کے لیے قدرت کی نشانی ہے کہ ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے دانے نکالے جن کو وہ کھاتے ہیں۔''

ابن عطاء اللہ سکندری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

''جو دل غفلت کی بنا پر مردہ ہو چکے تھے' ہم نے ان کو عبرت وموعظت کے ذریعے خوابِ غفلت سے جگایا۔''(۶۶)

علامہ ذہبیؒ کے بقول:

''سلف صالحین سے ایسی تفسیر بالکل منقول نہیں۔ اگر ایسی تفسیر ان کے یہاں معروف ہوتی تو وہ ضرور نقل کرتے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) بالاتفاق قرآن کے ظاہری وباطنی معانی کے سب سے بڑے عالم تھے۔ یہ بات قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ پچھلے تاریخی ادوار کا کوئی شخص صحابہ سے بڑھ کر شریعت کا رازدان ہو اور عربی زبان کو ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہو جن کی زبان میں قرآن اُترا تھا۔''(۶۷)

(۳) اسی طرح فرمانِ الٰہی: ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (العنکبوت) ''اللہ تعالیٰ نیک اعمال کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ کی تفسیر ایک صوفی صاحب نے یوں کی کہ لَمَعَ کو فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب قرار دیا اور الْمُحْسِنِیْنَ کو اس کا مفعول بنادیا۔ گویا معنی یہ ہوا کہ ''خدا نے نیک لوگوں کو روشن کر دیا۔''(۶۸)

اہلِ نظر کے نزدیک اس قسم کی تفسیر آیاتِ قرآنی میں الحاد کے مترادف ہے۔(۶۹)

☆تفسیر اشاری پر مشتمل اہم کتب

اس قسم کی تفسیر نویسی کے سلسلہ میں علماء کا طرزِ عمل مختلف رہا ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) بعض علماء نے یوں تو ظاہری تفسیر کو اپنی توجہات کا مرکز قرار دیا، تاہم کسی حد تک تفسیر اشاری سے بھی اعتناء کیا۔ علامہ شہاب الدین السید محمود آلوسیؒ نے ''روح المعانی'' اور امام نظام الدین الحسن بن محمد نیشاپوریؒ نے ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

(۲) علماء کی ایک قسم وہ ہے جن پر تفسیر اشاری کا غلبہ تھا مگر وہ کسی حد تک ظاہری تفسیر کی جانب توجہ دیتے تھے۔ سہل تستریؒ کا ''تفسیر القرآن العظیم'' میں یہی اسلوب ہے۔

(۳) کچھ علماء وہ تھے جو تفسیر اشاری ہی میں گم ہو کر رہ گئے اور ظاہری تفسیر کو مطلقاً قابل التفات نہ سمجھا۔ جیسے ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ نے ''حقائق التفاسیر'' میں کیا ہے۔

(۴) علماء کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے ظاہری تفسیر سے اعراض کیا اور تفسیر سے متعلق اپنی کتاب میں نظری اور اشاری تفسیر کو یکجا کر دیا۔ ابن عربی کی جانب منسوب تفسیر اسی عمل کی آئینہ دار ہے۔(۷۰)

مندرجہ بالا تفسیروں کے علاوہ تفسیر اشاری کی بعض اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

☆ عرائس البیان فی حقائق القرآن از ابومحمد شیرازی

☆ التاویلات النجمیۃ از نجم الدین دایہ وعلاء الدولہ سمنانی

☆ البحر المدید از ابن عجیبہ

☆ روح البیان از اسماعیل حقی

☆ تفسیر نظامی (فارسی) از نظام الدین بن عبدالشکور بلخی

☆ تفسیر نعیمی (اردو) از مفتی احمد یار خان نعیمی

☆ تفسیر منہاج القرآن (اردو) از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

علاوہ ازیں بعض ایسے اہل علم کی تفسیروں میں بھی بسا اوقات اشاری تفسیر کے نمونے ملتے ہیں جن کا اصل مقصود ظاہری تفسیر کا بیان تھا۔ مثلاً:

• امام ابن کثیرؒ رقم طراز ہیں:

''اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی﴾ (یٰس:۱۲) یعنی قیامت کے دن ہم مردوں کو زندہ کریں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جن اہل کفر کے دل ضلالت وگمراہی سے مردہ ہو چکے ہیں، خدا تعالیٰ ان میں سے جسے چاہتا ہے دل کی زندگی عطا کرتا ہے اور حق کی طرف ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔''(۷۱)

ارشاد باری ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (الحدید:۱۷) کی تفسیر میں بھی امام موصوف نے یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔

• امام فخر الدین رازیؒ بھی تفسیر کبیر میں گاہے بگاہے مفہوم اشاری بیان فرماتے ہیں۔ بطور مثال فرمانِ

الٰہی ﴿فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ﴾(البقرۃ: ۲۶۰) کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔(۷۲)

• امام ناصرالدین بیضاویؒ نے بھی اپنی تفسیر ''انوار التنزیل واسرار التاویل'' میں بعض مقامات پر ظاہری تفسیر کے بیان کے بعد اسی طریقہ پر آیات سے دقیق نکات اخذ کیے ہیں۔ مثال کے طور پر ارشادِ ربانی ﴿اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً﴾(البقرۃ:۲۲) کے تحت امام صاحب کے رشحاتِ قلم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ رُبَّ مبلغ اوعی من سامع۔

(۲) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج۱۲، ص ۵۱، تحقیق: ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء۔

(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج۲، ص ۶۶۹، مکتبہ دارالسلام، الطبعۃ الثانیۃ۔

(۴) ابن تیمیۃ، مجموع الفتاویٰ، ج۱۳، ص ۲۴۵۔

(۵) ابن القیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ج۳، ص ۱۲۶، تحقیق: مشہور حسن، دار ابن الجوزی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۳ھ۔

(۶) الزرقانی، مناھل العرفان، ج۲، ص ۶۶، دار الکتاب العربی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء۔

(۷) الصابونی، التبیان فی علوم القرآن، ص ۱۹۱۔

(۸) الحکم مع شرح ابن عجیبۃ، ص ۴۷۔

(۹) شرح الحکم لابن عجیبۃ، ص ۴۸۔

(۱۰) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب شھود الملائکۃ بدرًا، ح: ۳۷۰۱۔

(۱۱) ابن القیم، مدارج السالکین، ج۲، ص ۴۰۶۔

(۱۲) الغزالی، احیاء علوم الدین، ج۱، ص ۴۹۔

(۱۳) سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فرض الوضوء، ح:۵۴۔

(۱۴) ابن القیم، مدارج السالکین، ج۲، ص ۴۰۶۔ (۱۵) الشاطبی، الموافقات، ج۳، ص ۳۸۲۔

(۱۶) الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن ج۲، ص ۱۶۹، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراھیم مکتبہ دارالتراث، القاھرۃ، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، الجزء الخامس، ص: ۲۳۱۰، تحقیق: مرکز الدراسات القرآنیۃ، مجمع الملک فھد لطباعۃ المصحف الشریف، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ۱۴۲۶ھ۔ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل وہ روایت ہوتی ہے جس میں کوئی تابعی براہِ راست نبی اکرم ﷺ سے کوئی بات بیان کرے یعنی درمیان میں صحابیؓ کا ذکر نہ کرے۔ محدثین ایسی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ اس روایت کی سند سیدنا حسن بصریؒ تک صحیح ثابت ہے جیسا کہ الاتقان کے اسی تحقیق شدہ نسخے کے حاشیہ میں صراحت کی گئی ہے۔

(۱۷) الفردوس: ج۳، ص ۲۸۰ بحوالہ الاتقان الجزء الخامس، ص ۲۳۱۱۔

(۱۸) دیکھئے الاتقان، ص ۲۳۱۱۔

(۱۹) الاتقان ' الجزء الخامس' ص ۲۳۱۴،۲۳۱۳۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر منقطع ہے کہ ضحاک کی ابن عباسؓ سے ملاقات ثابت نہیں۔ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے قول کی اسناد بھی منقطع ہیں کہ ابووائل نے ان سے نہیں سنا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی بابت امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد' ج۷' ص ۱۶۵ میں فرمایا ہے کہ اسے طبرانی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک سند کے راوی صحیح کے ہیں۔

(۲۰) پروفیسر غلام احمد حریری' تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ۵۳۷' ملک سنز پبلشرز' فیصل آباد' ۲۰۰۴ء۔

(۲۱) صحیح البخاری' کتاب التفسیر' باب قوله فسبح بحمد ربك .....' ح:۴۵۸۸۔

(۲۲) محمد حنیف ندوی' مسئلہ اجتہاد' ص ۱۸۰،۱۷۹' ادارہ ثقافت اسلامیہ' طبع چہارم' ۱۹۹۴ء۔

(۲۳) الزرقانی' مناهل العرفان' ج۲' ص ۶۶۔

(۲۴) خالد العك' اصول التفسير وقواعده' ص ۲۰۸' دار النفائس' الطبعة الثانية' ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء۔

(۲۵) الغزالی' احياء علوم الدين' ج۱' ص ۲۹۳۔ نیز مذاق العارفين ترجمه احياء علوم الدين' ج۱' ص ۴۴۶،۴۴۵' مترجم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتویؒ' دارالاشاعت کراچی' اشاعت اول' جنوری ۱۹۷۹ء۔

(۲۶) فتاویٰ ابن الصلاح' ص ۲۹' بحوالہ تاریخ تفسیر و مفسرین' پروفیسر غلام احمد حریری' ص ۵۴۶۔

(۲۷) لطائف المنن' ص۱۳۶ بحواله الاتقان للسيوطی الجزء الخامس' ص ۲۳۱۵۔

(۲۸) ابن تيميّة ' مجموع الفتاوىٰ' ج۱۰' ص ۵۶۰۔

(۲۹) مجموع الفتاوىٰ' ج۲' ص ۲۸۔

(۳۰) مجموع فتاوىٰ شيخ الاسلام' ج۱۳' ص ۲۴۰۔

(۳۱) ابن القيم' مدارج السالكين' ج۲' ص ۴۰۶۔

(۳۲) ايضاً۔

(۳۳) الموافقات' ج۳' ص ۴۰۳ بحواله تاريخ تفسير و مفسرين' ص ۵۴۷۔

(۳۴) فتح الباری' ج۸' ص ۷۲۱' تحقيق :عبدالقادر شيبة الحمد' الطبعة الاولىٰ' ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء۔

(۳۵) تفتازانی' شرح عقائد نسفی' ص۲۵۸ بحواله الاتقان' ج۵' ص ۲۳۰۹۔

(۳۶) البرهان' ج۲' ص ۱۷۰۔

(۳۷) شرح الحكم' ص ۳۶۶۔

(۳۸) ايضاً' ص ۲۱۲۔

(۳۹) مناهل العرفان' ج۲' ص ۷۴۔۷۳۔

(۴۰) ابن عاشور' تفسير التحرير والتنوير' ج۱' ص ۳۶۔۳۴' الدارالتونسية للنشر' ۱۹۸۴ء۔

(۴۱) التفسير والمفسرون' ج۲' ص ۲۶۴' مكتبة وهبة' ۲۰۰۰ء۔

(۴۲) الشيخ عبدالله بن يوسف الحديع' المقدمات الاساسية فی علوم القرآن' ص ۳۷۹' توزيع: مؤسسة الريان' بيروت' لبنان' الطبعة الاولىٰ' ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء۔

(۴۳) مناع القطان' مباحث فی علوم القرآن' ص ۳۴۷' مكتبة وهبة' القاهرة' س۔ ن۔

(۴۴) محمد مالك كاندهلویؒ ' منازل العرفان' ص ۲۷۷۔

(۴۵) الموسوعة القرآنية المتخصصة' ص ۲۸۴' فصل التفسير والمفسرون' بقلم: ا۔ د۔جمال مصطفیٰ عبدالحميد 'طبعة القاهرة ۱۴۲۳ھ /۲۰۰۳ء عبدالوهاب النجار' نگرانی: ا ۔ د۔ محمود حمدی

زقزوق (وزیر اوقاف)۔
(٤٦) الواضح فی علوم القرآن'ص ٢٤٠'٢٣٩' دارالکلم الطیب' دِمشق' الطبعة الثانیة'١٤١٨ھ /١٩٩٨ء۔
(٤٧) ابن القیم' التبیان فی اقسام القرآن' ص ٥٠۔
(٤٨) مباحث فی علوم القرآن' ص ٣٤٨۔
(٤٩) المقدمات الاساسیة فی علوم القرآن' ص ٣٧٩۔ (٥٠)اصول التفسیر وقواعدہ' ص ٢٠٨۔
(٥١) الزرقانی' مناھل العرفان' ج٢' ص ٦٩۔
(٥٢) پروفیسر غلام احمد حریری' تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ٥٣٤۔
(٥٣) المقدمات الاساسیة فی علوم القرآن' ص ٣٧٦۔
(٥٤) فتوحات مکیہ لابن عربی' ج١' ص ١١٥ بحوالہ التفسیر والمفسرون للذھبی' ج٢' ص ٢٥٧۔
(٥٥) التفسیر والمفسرون' ج٢' ص ٢٦٠۔ نیز تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ٥٣٤'٥٣٣۔
(٥٦) الموسوعة القرآنیة المتخصصة' ص ٢٨٤۔
(٥٧) طاھر محمود محمد یعقوب' اسباب الخطأ فی التفسیر' ج٢' ص ٧٣١' دار ابن الجوزی' المطبعة الاولیٰ' ١٤٢٥ھ۔
(٥٨) فضائح الباطنیة للغزالی' ص ٣٧' بحوالہ اسباب الخطاء فی التفسیر' ص ٧٣١۔
(٥٩) مجموع الفتاوی' ج١٣'ص٢٣٢تا٢٣٦بتصرف نیز الموافقات للشاطبی' ج٤'ص ٢٠٨ ومابعد۔
(٦٠) احیاء علوم الدین' کتاب اسرار تلاوة القرآن' الباب الرابع فی فھم القرآن وتفسیرہ بالرأی من غیر نقل' ج١/٣' ص ١٣٨۔ نیز مذاق العارفین' ج١' ص ٤٤٢۔
(٦١) تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ٤٥٥۔
(٦٢) مولانا محمد حنیف ندوی' مطالعہ قرآن' ص ١٠٢' علم و عرفان پبلشرز' لاھور' ٢٠٠٢ء
(٦٣) مناھل العرفان' ج٢' ص ٦٧۔
(٦٤) صبحی صالح' مباحث فی علوم القرآن' ص ٢٩٧' دارالعلم للملایین' بیروت' الطبعة الرابعة' ١٩٦٥ء
(٦٥) تفسیر القرآن از تستری' ص ٤١۔
(٦٦) السلمی' حقائق التفسیر' ص ٢٨٤۔
(٦٧) التفسیر والمفسرون' ج٢۔
(٦٨) مبادی التفسیر از خضری' ص ٩۔
(٦٩) تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ٥٥٠۔
(٧٠) تاریخ تفسیر و مفسرین'٥٥١۔
(٧١) تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورہ یٰسین' آیت ١٢۔
(٧٢) مفاتیح الغیب للرازی' ج٧' ص ٤٤۔ دار الفکر' الطبعة الاولیٰ' ١٤٠١ھ /١٩٨١ء۔

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : اللہ اور خدا مصنف: رشید اللہ یعقوب

ضخامت:272 صفحات ملنے کا پتہ: رحمۃ للعالمین ریسرچ سنٹر' مکان نمبر 8' زمزمہ سٹریٹ نمبر 3' زمزمہ' کلفٹن' کراچی

زیر تبصرہ کتاب مصنف کی حقیقت پسندی کا شاہکار ہے جس نے ۱۷۲ کتب حوالہ کے مطالعہ اور استفادہ کے بعد اسے تحریر کیا۔ مصنف کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا اور لکھنا درست نہیں۔ انہوں نے ان مختلف کتابوں اور فتاویٰ کا بھی حوالہ دیا ہے جن میں خدا کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے لکھنا جائز قرار دیا گیا ہے اور ان علماء کا بھی حوالہ دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ خدا یا God جائز نہیں سمجھتے۔

فاضل مصنف کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کو صرف ان ناموں کے ساتھ ہی پکارنا چاہیے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں' نہ صحابہ کے دور میں اور نہ ہی تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں اللہ کو خدا کے نام سے پکارا گیا۔ پس صحیح یہی ہے کہ ربّ کائنات کو اللہ کے نام سے ہی پکارا جائے۔ جہاں تک لفظ خدا کا تعلق ہے تو یہ لفظ پہلی مرتبہ چوتھی صدی ہجری میں شاہنامہ کے متعصب ایرانی مصنف فردوسی نے استعمال کیا' جس کی عرب اور اسلام دشمنی ڈھکی چھپی نہیں۔ چنانچہ جب برصغیر میں فارسی کا دور دورہ ہوا تو تحریر وتقریر میں لفظ خدا استعمال ہونے لگا' یہاں تک کہ علمائے اسلام اور مفسرین کرام نے بھی اپنی کتابوں میں اور قرآن مجید کے ترجمہ میں اللہ کا ترجمہ لفظ خدا سے کر دیا اور بارہویں تیرھویں صدی ہجری کے امام آلوسیؒ اور عبدالوہاب شعرانیؒ نے تو اس لفظ کے جواز میں یہ کہہ دیا کہ اللہ کو کسی بھی مذہب کے معبود کے نام سے پکار سکتے ہو (ہاں عقیدۂ توحید پر پورے خلوص کے ساتھ ایمان ضروری ہے)۔

مصنف اس پوری تفصیل کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ''اللہ'' سب کے نزدیک افضل واعلیٰ اور مجمع علیہ نام ہے۔ خالق کائنات کا یہ نام قرآن مجید میں ۲۶۹۷ مرتبہ آیا ہے۔ قرآن کا لفظ ہونے اور اسم ذات ہونے کی وجہ سے اس لفظ کے ساتھ اللہ کو پکارنا اولیٰ اور افضل ہے۔ اتنی بات واضح ہو جانے کے بعد اللہ کا ترجمہ خدا کرنا یا اللہ کی بجائے تحریر وتقریر میں خدا کا لفظ لانا مناسب نہیں۔ جن بزرگوں نے یہ لفظ اپنی کتابوں میں لکھا ہے ان کو غلط العام کے تحت لاکر معذور سمجھنا چاہیے اور ان کی نیت پر شبہ کرنا مناسب نہیں۔

کتاب ایک اچھی اور ضروری کاوش ہے۔ کہیں کہیں کمپوزنگ کی اغلاط بھی ہیں جن کی اگلے ایڈیشن میں اصلاح ضروری ہے۔ عمدہ کاغذ' معیاری طباعت اور مضبوط جلد پر مشتمل یہ کتاب بطور صدقہ جاریہ شائع کی گئی ہے۔

(۲)

نام کتاب : رہنمائے زوجین

مصنف : کیپٹن ڈاکٹر غلام سرور

ضخامت:288 صفحات قیمت: وقف للہ تعالیٰ

ناشر: صغریٰ تاج پبلشرز' C-17 گلفشاں کالونی' جھنگ روڈ' فیصل آباد

کتاب کے مصنف پیشے کے اعتبار سے معالج ہیں مگر ان کا وجود انسانی ہمدردی سے سرشار ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ اسلامی معاشرہ محبت والفت اور نصح وخیر خواہی کا مظہر ہو۔ چونکہ انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی گھر ہے اس لیے گھر کے تمام افراد کو اپنے اپنے حقوق وفرائض سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ اسی جذبے کے تحت ڈاکٹر صاحب قبل ازیں اول ''ذکر ماں'' اور دوم ''باپ'' کے عنوان سے دو خوبصورت کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کر چکے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے' میاں بیوی کے باہمی حقوق وفرائض کو واضح کرتی ہے۔ کتاب میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اچھے شوہر کی نمایاں خوبیاں اور اچھی بیوی کے بہترین اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ انبیاء اور اُن کی ازواج خصوصاً رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حالات تحریر کر کے اچھی اور کامیاب خاندانی زندگی کے لیے راہنما اصول واضح کر دیے گئے ہیں۔ کتاب میں چند عنوانات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ مثلاً سلیقہ وآرام کی بعض باتیں' قرآن حکیم اور خواتین' شریعتِ محمدی میں تعددِ ازواج' شریک حیات کے ساتھ تعلقات کی بہتری میں معاون اقدامات' گھریلو مسائل اور ان کا حل' پردہ اور حقوق زوجین' طلاق اور عدت کے ضروری مسائل۔

کتاب کے آخر میں بیٹی کو رخصت کرتے وقت ماں کی نصیحت کے عنوان سے چند سطور تحریر کی گئی ہیں جو لڑکی کے لیے کامیاب ازدواجی زندگی کی ضامن ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کی تیاری میں بہت سی کتب وجرائد سے استفادہ کیا ہے جن کے جابجا حوالہ جات درج کر دیے ہیں۔ یہ کتاب ہر شادی شدہ جوڑے کے پڑھنے کی چیز ہے۔ چونکہ اس کے مطالعہ سے کئی خاندانوں کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی آئے گی اس لیے کتاب کے مصنف کے لیے یقیناً یہ بہترین صدقہ جاریہ ہے اور مزید لائق تحسین بات یہ ہے کہ یہ قیمتی کتاب ضرورت مندوں کو ہدیتاً پیش کی جارہی ہے۔

(۳)

نام کتاب : راہِ اعتدال

مؤلف : محمد وسیم میواتی

ضخامت:124 صفحات قیمت:درج نہیں ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

اسلامی تعلیمات کے بنیادی مآخذ قرآن وسنت ہیں۔عقائد واعمال کے متعلق تمام اہم امور فیصلہ کُن انداز میں پوری وضاحت کے ساتھ ہدایت کے ان دونوں سرچشموں کے اندر موجود ہیں۔تاہم قرآن وسنت سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا ذہن تعصب اور تقلید جامد سے یکسر پاک ہو ورنہ قرآن مجید کا مطالعہ تو غیر مسلم بھی کرتے ہیں مگر ان کا مقصد تلاش حق کی بجائے تنقید وتنقیص ہوتا ہے لہٰذا وہ ہدایت سے عاری رہتے ہیں۔

''راہِ اعتدال'' میں مصنف نے کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے اندر جو اختلافات خوامخواہ پیدا ہوگئے ہیں ان میں قرآن وسنت کی روشنی میں راہ صواب واضح کی جائے۔مصنف نے اختلافی مسائل کا حل نصوص قرآن اور صحیح احادیث کے ذریعے پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو قابل تعریف ہے۔جن مسائل میں اختلاف کیا جاتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کے بارے میں ہیں حالانکہ اس حوالے سے قرآن مجید میں پوری وضاحت اور صراحت موجود ہے۔پھر آپؐ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ وقت گزارا ہے جنہوں نے آپؐ کے بارے میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی ذکر کر دیا ہے جو ہمیں کتب احادیث میں مل جاتی ہیں۔اس اختلاف کی بڑی وجہ غلو اور مبالغہ ہے جو نہ شرعی اعتبار سے قابل تعریف ہے اور نہ اخلاقی اعتبار سے پسندیدہ ہے۔خاص طور پر اسلامی تعلیمات میں تو غلو کی قطعاً گنجائش نہیں کیونکہ اسلام تو دین فطرت ہے جس کی تعلیمات دو اور دو چار کی طرح دوٹوک ہیں۔

مصنف نے فروعی اختلافات کے ضمن میں چار اہم عنوانات پر عام فہم انداز میں بحث کی ہے:

(۱) آپ ﷺ نور ہیں یا بشر؟ (۲) آپ ﷺ عالم الغیب ہیں یا نہیں؟

(۳) آپ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں یا نہیں؟ (۴) آپ ﷺ مختار کل ہیں یا نہیں؟

ان چاروں مسائل میں حق بات پوری وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں بیان ہو چکی ہے پھر سنت اور حدیث سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔مگر یہاں انسانی کمزوری در آتی ہے کہ انسان عقیدت اور خوش عقیدگی کی بنا پر حق سے منہ پھیر لیتا ہے اور اپنے محسن کے بارے میں وہ باتیں کہہ جاتا ہے جو حقیقت کے منافی ہوتی ہیں۔اس کتاب کو جو شخص صاف ذہن لے کر اور تعصب سے پاک ہو کر پڑھے گا اس پر حقیقت ضرور واضح ہو جائے گی۔ باقی نیت کا معاملہ ہے کہ قاری اسے کس نقطہ نظر سے پڑھتا ہے۔

کتاب کی افادیت اس بات سے بھی واضح ہے کہ عکس ویژن پاکستان کی مرکزی کمیٹی کی طرف سے یہ ایوارڈ یافتہ ہے۔

(۴)

نام جریدہ : پندرہ روزہ ''المنبر'' فیصل آباد —— پروفیسر عبدالجبار شاکر نمبر

ترتیب وتدوین : ڈاکٹر زاہد اشرف

ضخامت:368 صفحات قیمت:150 روپے

ملنے کے پتے: ☆ مکتبہ المنبر' عبدالرحیم اشرف ٹرسٹ کمپلیکس' شارع اشرف' 6- کلومیٹر سرگودھا روڈ' فیصل آباد

☆ کتاب سرائے' فرسٹ فلور' الحمد مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور

ادارہ المنبر نے تذکار پروفیسر عبدالجبار شاکر شائع کر کے ایک قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ معروف علمی شخصیات کے کردار وعمل کو عام کرنا ضروری ہے تاکہ دوسرے لوگ ان کے حالات وواقعات سے راہنمائی حاصل کر سکیں۔ المنبر کا یہ شمارہ ۵۱ اہل علم کی تحریروں کا امین ہے۔ لکھنے والوں میں اکثر معروف ادیب اور سکالر ہیں۔ ہر کسی نے اپنے اپنے مشاہدے کے مطابق شاکر صاحب کو ہدیہ تبریک پیش کیا ہے اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان کو کتابوں کے ساتھ جنون کی حد تک پیار تھا جس کے نتیجہ میں انہوں نے ''بیت الحکمت'' کے نام سے ایک مثالی لائبریری قائم کی۔ اس میں کم وبیش ایک لاکھ کتابیں ہیں۔ وہ کوئی سرمایہ دار آدمی نہ تھے بلکہ وہ یہ کتابیں اپنی گھریلو ضروریات قربان کر کے خریدتے اور یوں اپنے ذوق کی تسکین کرتے تھے۔ ان کی لائبریری میں بہت سی نادر ونایاب کتب ہیں۔ وہ ہمیشہ اچھی کتاب کی تلاش میں رہتے' وہ جہاں سے ملتی اور جس قیمت پر ملتی خرید لیتے تھے۔ عبدالجبار شاکر نے کتابوں کے اس ذخیرے سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ وہ بلند پایہ عالم دین اور منفرد خطیب تھے۔ ان کی گفتگو میں شائستگی اور مٹھاس تھی۔ دلائل کے ساتھ مخاطب کو قائل کرنا ان کا فن تھا۔ گفتگو کا سلیقہ ان کا خاص امتیاز تھا۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر وہ مختلف مناصب پر فائز رہے۔ وہ کالج میں پروفیسر' ڈائریکٹر پنجاب لائبریریز' ڈائریکٹر نیشنل سیرت چیئر' ڈائریکٹر جنرل دعوہ اکیڈمی' ڈائریکٹر شریعہ اکیڈمی اور فیصل مسجد اسلام آباد کے خطیب رہے۔

عبدالجبار شاکر اقبالیات پر ایک مستند شخصیت تھے۔ علامہ اقبال کے بارے میں شاید ہی کوئی کانفرنس یا سیمینار ہوگا جو شاکر صاحب کے عین حیات منعقد ہوا ہو مگر اس میں شاکر صاحب مقرر کی حیثیت سے شامل نہ ہوئے ہوں۔ عبدالجبار شاکر راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ مسلکاً اہل حدیث تھے لیکن مزاج میں اعتدال اور برداشت اس حد تک تھی کہ ہر مسلک والے ان کا احترام کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے میں نقشبندی سلسلے میں بیعت ہوں اور تصوف کو مانتا ہوں۔ عبدالجبار شاکر اتنے بڑے عالم دین تھے مگر انہوں نے کوئی کتاب نہ لکھی' البتہ مختلف کتابوں پر پیش لفظ لکھے جو ان کی شاہکار تحریریں ہیں۔ وہ تقریر اور تحریر دونوں میدانوں کے شاہسوار تھے۔

عبدالجبار شاکر جیسی متوازن اور سنجیدہ شخصیت پر خصوصی اشاعت نکالنے پر ادارہ المنبر واقعی مدح و ستائش کا مستحق ہے۔

(۵)

نام کتاب : امام لاہوری کے رسائل

مرتب : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت:334 صفحات قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد نوشہرہ

مولانا احمد علی لاہوری (پیدائش ۱۳۰۴ھ وفات ۱۳۸۱ھ) مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد خاص تھے۔ آپ کی روحانی تربیت بھی انہی کے ہاتھوں ہوئی۔ جوہر قابل دیکھ کر مولانا سندھی نے اپنی بیٹی ان کی زوجیت میں دے دی۔ مولانا احمد علی اپنے وقت کے جید عالم' مفسر قرآن اور بلند پایہ مفکر اسلام تھے۔ انہوں نے ساری زندگی درس وتدریس میں گزاری۔ قرآن پاک کے ساتھ انہیں خصوصی لگاؤ تھا۔ ۱۹۲۰ء سے آخری سانس تک آپ لاہور میں مقیم رہے ہیں۔ اس دوران آپ نے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جو عوام وخواص میں یکساں مقبول ہوا۔ آپ مسلمانوں کے اصلاح احوال کے لیے زندگی بھر جدوجہد کرتے رہے۔ ہفت روزہ خدام الدین جاری کیا جس میں آپ کے خطبہ جمعہ اور مجلس ذکر کی تلخیص کے علاوہ اصلاحی اور تحقیقی مضامین ہوتے تھے۔

صدیقی ٹرسٹ کراچی ایک معروف دینی ادارہ ہے جو فہم دین کے سلسلہ میں معمولی ضخامت کی مطبوعات شائع کرتا ہے۔ انہوں نے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کے چھوٹے چھوٹے رسائل کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ ان خطبات کو مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے ترتیب دے کر کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ رسائل تحقیقی اور علمی مسائل پر مشتمل ہیں جن میں ردّ مرزائیت پر بھی مسکت مواد موجود ہے۔ غلط رسوم ورواج جو مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں ان کا ذکر کر کے اصلاح احوال کی راہ دکھائی ہے۔ الغرض حنفی مسلک رکھنے والوں کے لیے خاص طور پر یہ ایک مفید اور راہ نما کتاب ہے۔

(۶)

نام کتاب : مرویات سیدہ عائشہ صدیقہ وسیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

مرتب : مولانا سید الرحمٰن علوی

ضخامت:151 صفحات قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' برانچ پوسٹ آفس خالق آباد' نوشہرہ

احکام شرعیہ کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے جو کہ قرآن وحدیث کی شکل میں اُمتِ مسلمہ کے پاس موجود ہے۔ دنیا وآخرت میں فلاح وہدایت کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے جب کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھاما جائے اور ان

پر عمل کیا جائے۔ قرآن وسنت کی صورت میں دین کے احکامات ہمارے پاس صحابہ کرام ؓ کے ذریعے پہنچے ہیں جنہوں نے ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً)) کے نبویؐ حکم کی تعمیل میں کامل امانت ودیانت اور پوری ذمہ داری سے اللہ ورسول کے ارشادات ہم تک پہنچائے۔

زیر تبصرہ کتاب میں دو جلیل القدر صحابہ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور خال المؤمنین سیدنا امیر معاویہ ؓ کی چالیس چالیس مرویاتِ حدیث پیش کی گئی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے قلب وذہن میں عمل صالح کا جذبہ پیدا ہوتا اور اصلاحِ احوال کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان ہدایات پر کما حقہ عمل کیا جائے تو انسانی معاشرہ امن وآشتی اور محبت والفت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ باری تعالیٰ مصنف ومرتب اور ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ جن کی کاوشوں سے حکمتِ نبویؐ کا یہ عظیم ذخیرہ ہماری دسترس میں پہنچا۔ نیز تمام اہل اسلام کو ان احکامات وہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(تبصرہ نگار: حافظ طاہر اسلام عسکری)

(۷)

نام کتاب : حمید نظامی

مصنف : آغا شورش کاشمیری مرتب : علامہ عبدالستار عاصم

ضخامت: 128 صفحات قیمت: درج نہیں

ناشر: قلم فاؤنڈیشن' آفس نمبر 37' شالیمار مارکیٹ' مین بلیوارڈ' ڈیفنس موڑ لاہور

نظریاتی روزنامہ ''نوائے وقت'' کے بانی ومدیر جناب حمید نظامی پر زیر نظر کتاب شورش کاشمیری نے ان کی وفات کے بعد لکھی تھی۔ آغا شورش ان کے دوستوں میں سے تھے اور ہر شام مال روڈ پر واقع ایک ہوٹل ''گارڈینیا'' کی ان محفلوں میں شریک ہوتے تھے جس میں قومی اور بین الاقوامی حالات' تہذیبی' سیاسی اور ادبی امور پر لاہور کے چند دانشور تبادلۂ خیالات کے لیے جمع ہوتے تھے۔ جناب حمید نظامی ان محفلوں کے میر مجلس تھے۔ آغا شورش کاشمیری نے ان محفلوں سے جو تأثرات اور تجربات حاصل کیے' ان کی اساس پر یہ کتاب لکھی جسے اب بالواسطہ طور پر ان کی سوانح عمری بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۷ء میں چھپی تھی' لیکن اس کا دوسرا ایڈیشن شائع نہ ہوسکا۔ اردو کی صحافتی اور ادبی دنیا علامہ عبدالستار عاصم کی شکر گزار ہے کہ انہوں نے شورش کاشمیری کی اس نایاب کتاب کو تحقیقی تلاش وجستجو سے بازیافت کیا اور ۴۳ برس کے بعد اس کا نیا ایڈیشن نئی ترتیب وتدوین کے ساتھ حمید نظامی مرحوم کی ۴۷ ویں برسی (وفات ۲۵ فروری ۱۹۶۲ء) پر شائع کر دیا۔

جناب حمید نظامی کی رحلت کے بعد ان کے عظیم اخبار کو ان کے برادرِ اصغر مجید نظامی نے سنبھالا اور آج بھی الحمد للہ ان کی زیر ادارت ''نوائے وقت'' بھرپور مجاہدانہ روایات کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ جناب مجید نظامی

beneficial for him as being harmful or vice versa. Allah (SWT) is the Creator of man and He alone knows what is good and what is bad for His bondsmen.

Endnotes

[51] Sahih Muslim 3: 1357.

[52] Sahih Muslim 3: 1364.

[53] Fath-ul-Bari 6: 327, Sahih Muslim 2: 986-987.

[54] Surah As-Saff (61): 9.

[55] Ibid.

[56] The root of *mujahedeen* is J-H-D (ج-ہ-د), meaning "effort" in general; however, the particular verb stem of J-H-D from which both *jihad* and *mujahid* are derived means "to exert effort against" or "to struggle". *Mujahid* is originally, therefore, someone who struggles but in the ayah mentioned (9: 111), a *mujahid* refers to a fighter or a warrior, fighting in the way of Allah (SWT) i.e. *Qitaal fi Sabilillah.*

[57] Surah At-Taubah (9): 111.

***

کا دورِ ادارت قریباً نصف صدی پر محیط ہے لیکن ''نوائے وقت'' کی پیشانی جناب حمید نظامی کے اسم گرامی سے ہی تابندہ ہے اور ان کی نظریاتی روح اس کے پیکر میں موجود ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر شورش کاشمیری کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں اپنی انشا پردازی اور ادیبانہ شان سے ان کی صحافیانہ عظمت و رفعت کو اجاگر کیا ہے اور اسے حمید نظامی کی سیرت و کردار کا آئینہ بنا دیا ہے۔ عبدالستار عاصم کی خوبی یہ ہے کہ وہ حمید نظامی کے تذکرے کو ۲۰۱۰ء تک لے آئے ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں ''حمید نظامی کی صحافت اور آج کا پاکستان'' کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ کیا ہے جو گزشتہ نصف صدی کے مشاہیر سیاست و صحافت اور ادب کی حمید نظامی صاحب کے بارے میں آراء پر مشتمل ہے۔ اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ حمید نظامی آج بھی ہم میں موجود ہیں اور ان کا ''نوائے وقت'' جناب مجید نظامی کی قیادت میں ان کے قلمی مشن کی تکمیل کر رہا ہے۔

(تبصرہ نگار: ڈاکٹر انور سدید)

While the people of the Book disputed each other over the matters of religion, Allah (SWT) guided the *Ummah* of Prophet Muhammad (SAW) to the truth by His leave and knowledge. And He guides from among His creations whomever He wills towards the right path of Islam.

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم ۖ مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾

(214) *Or do you think that you will enter paradise whereas there has not come to you yet, as (came to) to those who passed away before you? Distress and affliction befell them and they were so shaken up that the Prophet and those who believed with him began to say: "When the help of Allah (will come)"? Behold! The help of Allah is near!*

The only way to enter Paradise is through tests and trials in the real vicissitudes of life. This involves a lot of pain, sorrow, suffering and self-sacrifice. The nations before this *Ummah* were made subject to tremendous trials and hardships and this *Ummah* has to go through such tests as well, before Allah's help arrives.

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾

(215) *They ask you as to what they should spend. Say: "Whatever you spend of good, (then first priority) is for the parents; then the relatives and the orphans and the needy and the travelers. And whatever good you do, surely Allah is therewith Acquainted.*

Islam encourages the believers to spend in the way of Allah (SWT). Every Muslim must follow the Divine commandments as to how he should share the bounties that Allah (SWT) has bestowed upon him with the needy and strive for the everlasting reward. This *ayah* also elucidates the order in which charity should be given. The first right over one's charity is that of the parents, then the kinsfolk, the orphans, the needy and the wayfarers. *"And whatever good you do, surely Allah is therewith Acquainted"* i.e. Allah (SWT) knows whatever good one performs and will reward one accordingly.

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

(216) *Fighting is made incumbent upon you whereas it is abhorrent to you. And it is possible that you abhor something and that very thing is good for you, and it is also possible that you like something and that very thing is bad for you. And Allah knows while you do not know.*

Through this *ayah*, Allah (SWT) made it obligatory for the Muslims to engage in *Jihad* against the enemies of Allah (SWT), but people disliked it and it was heavy on their hearts. Allah (SWT) makes us realize that human knowledge is limited, while His knowledge encompasses everything. A human may consider something that is

those who believe; but those who are pious will be above them on the Day of Resurrection. And Allah confers upon whom He wills without measure.

The disbelievers accumulate all the worldly splendors in this life and amass wealth, but refrain from spending it in the way of Allah (SWT). Instead, they look down upon the true believers and scoff at them for spending their lives and wealth in the way of Allah (SWT) to earn His pleasure and remaining bereft of things of worldly importance. The disbelievers may be enjoying the worldly pleasures in this transitional period but on the Day of Resurrection, it will be the faithful who will be exalted and in the highest ranks, while the disbelievers will be humiliated terribly. Allah (SWT) provides sustenance to whomsoever He wishes without any count or measure in this world as well as in the Hereafter.

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(213) *Mankind was a single community. Then Allah raised the prophets as bearers of glad tidings and as warners, and He sent down the Book with them with truth so that it may judge between the people about whatever the disagreement they had therein. And none but the very people who were given it, differed about it after clear signs had come to them, seeking dominance over one another. Then Allah guided the believers by His will to the truth of that wherein they had differed. And Allah guides whom He pleases towards the straight path.*

Allah's *Deen* is one; yet people differ among themselves, each of them interpreting the Divine religion in his own way, so that it may fit in the way he sees it himself. In this way, different sects, all claiming allegiance to one Divine religion, came into existence. In the beginning, however, there was only one *Deen* and the humans began their lives in full light of the Divine truth. When Allah (SWT) created Adam (AS), He showed him the right path i.e. Islam, and all were one community. But after Adam (AS), people started to sway away from the right path and developed differences of opinion among themselves. Therefore, Allah (SWT) sent His Messengers to proclaim the truth on earth and gave them the Divine Books so as to judge between the people who differed. *"And none but the very people who were given it, differed about it after clear signs had come to them, seeking dominance over one another."* Allah (SWT) showed the Jews and the Christians clear signs and miracles, yet they disputed among themselves on various accounts and remained attached to their self-generated interpretations of the religion. They refused to accept the truth taught by another, claiming that they had a perfect religion of their own. This behavior caused them to deny the truth and made them proud and prejudiced. *"Then Allah guided the believers by His will to the truth of that wherein they had differed. And Allah guides whom He pleases towards the straight path."*

Allah (SWT) commands the believers to submit to Him with perfect faith and deep conviction by obeying His commandments and refraining from what He has prohibited, without any consideration for their own interests and reservations. One who accepts and practices Islam only to the extent that it does not clash with one's everyday life does not enter into Islam whole-heartedly. *"And do not follow the footprints of Satan; verily he is your manifest enemy"* i.e. avoid what Satan commands you to do, as he invites people to become the dwellers of Hellfire because of his enmity towards the children of Adam (AS). Satan is indeed man's sworn enemy.

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

(209) And if you slip even after clear signs have come to you, then keep in mind that Allah is Mighty, Wise.

i.e. if you deviate from the religion, even though Allah (SWT) has already sent clear signs and miracles, the greatest miracle of them being the *Qur'an*, then be mindful of the fact that Allah (SWT) has total authority and might to punish the criminals and He is Wise in His decisions.

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

(210) What are they looking forward to except that Allah come to them in the shadows of the clouds along with the angels, and the matter be adjudged. And towards Allah all the matters will be returned.

Those who doubt Allah's religion are not waiting for anything but for Allah (SWT) to appear Himself along with all the angels i.e. on the Day of Judgment. *"And the matter be adjudged."* At that time there will be no more chance left for the disbelievers and even if they believe in Allah (SWT), their belief and submission will be of no use to them because that will be the time of the final verdict.

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

(211) Ask the Children of Israel how many clear signs We have given them. So whoever changes the blessing of Allah after it has come to him, then verily Allah is Strict in reprisal.

The *Children of Israel* were shown many great signs by Allah (SWT). Yet, most of them disobeyed His commandments and ignored His favors and preferred their own whims and fancies to the guidance. Allah (SWT) favored the *Children of Israel* over other nations and provided them with provision and wealth and showed them the straight path, but they changed Allah's favors by being ungrateful and by preferring disbelief to true guidance. Verily Allah (SWT) will severely punish all those who disobey Him.

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

(212) The life of this world is made alluring for the disbelievers and they scoff at

so. For such a person, it is not the Divinely ordained right and wrong that matters; he just goes by what makes a favorable impression on the listener. He has no problem in painting a glowing picture on the outside, despite the fact that in his heart, he hides the wickedness of wolves and is devoid of sincerity. He alters the truth and is the most quarrelsome of all. In fact, such a hypocrite is the deadliest of the Muslims' opponents.

وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝

(205) And when he turns back, he struggles in the earth to spread disorder therein, and to destroy the tillage and the offspring whereas Allah does not like disorder.

There is bound to be a dichotomy between the words and the actions of a double-faced person. His words are empty and fabricated and contradict his own deeds. He spreads mischief everywhere; destroying the crops and livestock whenever he gets an opportunity, *"whereas Allah does not like disorder"* i.e. Allah (SWT) does not like people who have the characteristics of a hypocrite.

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

(206) And when it is said to him: "Fear Allah", ego holds him back alongwith sin. So Hell would suffice him and definitely that is an evil resting-place.

When a hypocrite who deceives through his speech and words, is asked to fear Allah (SWT) and mend his ways, he, out of his pride and egotism, increases in his arrogance and refuses to adhere to the truth. That is to say, vanity carries him off to sin and he persists with misdemeanors. Hell is the abode of such a hypocrite and that is indeed a horrible place to be in.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

(207) And among the people is the one who sells himself to seek the pleasure of Allah. And Allah is Compassionate to (such of) His Servants.

After describing the characteristics of a hypocrite, Allah (SWT) mentions the qualities of a *Momin* (true believer). Allah (SWT) states that a believer is one who is ever ready to sacrifice his life and his possessions to attain the pleasure of Allah (SWT). This *ayah* includes every *Mujahid* [56] in the way of Allah (SWT), as Allah (SWT) states in another *ayah*: *"Indeed Allah (SWT) has purchased from the believers their persons and their wealth and in return has promised them paradise, they fight in the cause of Allah (SWT) and slay and are slain. This is a true promise which is binding on Him mentioned in Torah, the Injeel (Gospel) and the Qur'an, and who is truer in fulfilling his promise than Allah. Rejoice, therefore, in the bargain which you have made, and that is the supreme triumph."* [57]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

(208) O you who believe! Enter into Islam completely, and do not follow the footprints of Satan; verily he is your manifest enemy.

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(201) Whereas among them are those too who say: "O our Lord! Grant us in this world best of the favors, and in the Hereafter, best of the favors, and save us from the torment of Hellfire."

In this *ayah*, Allah (SWT) praises His servants who supplicate to Him for the good of this life as well as that of the next life. The good of the Hereafter includes safety from the torment of hellfire, easy questioning and evaluation and entrance into the Paradise.

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

(202) It is they for whom is the share out of what they have earned; and Allah is Swift at reckoning.

Our good and bad deeds go before us for the judgment of Allah (SWT) and will be witnesses for or against us. So whatever we send forth, we will surely find it with Allah (SWT) who is quick in taking account. Our spiritual account is mounting up, both on the debit and the credit side. In worldly accounts, our profits and losses may be delayed, but in Allah's Book, there is no delay; our actions go before us.

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

(203) And celebrate the Praises & Magnificence of Allah during the appointed days. Then whoever hastens (to leave) in two days, there is no sin on him and whoever delays, there is no sin on him either; it is for the one who observes righteousness. And fear Allah and be sure that unto Him you will be gathered.

The Appointed days are the 'Days of *Tashriq*' (12th, 13th and 14th of *Dhul-Hijjah*.). Allah (SWT) commands the believers to praise and glorify Him during these days in chanting His *Dhikr* and supplicating to Him. *"Then whoever hastens (to leave) in two days, there is no sin on him and whoever delays, there is no sin on him either; it is for the one who observes righteousness."* It is optional for the pilgrims to leave on the second day or to extend their stay and leave on the third day. The real thing that matters is not the number of days they stay at *Mina* but whether they have spent the days in remembering Allah (SWT) or indulging in other matters. *"And fear Allah and be sure that unto Him you will be gathered."* A true believer always remembers Allah (SWT) and safeguards himself from sins, as he knows for certain that every soul shall be gathered before Him on the Day of Judgment.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝

(204) And among the people is he whose speech pleases you in the life of this world and he calls Allah to witness over what is in his heart, while he is the most quarrelsome of the antagonists.

In this *ayah*, Allah (SWT) describes the characteristics of a hypocrite, who proclaims faith just because it is in his own selfish interest to do

There was another misconception in the pre-Islamic era that it was sinful to conduct business activities during the days of *Hajj*. But Allah (SWT) removed this misconception and allowed those performing *Hajj* to conduct businesses in order to earn their livelihood. *"So when you start returning from Ara'faat, do commemorate Allah near the Sacred Monument."* Between *Arafat* and *Mina*, there is a place called *Muzdalifah* where Prophet Muhammad (SAW) offered a long prayer. Since then it has become a sacred monument and the pilgrims have been commanded in this *ayah* to follow the example of their Prophet (SAW). *"And celebrate His praises as He has guided you whereas prior to it, you were definitely among the astray."* Allah (SWT) reminds the believers of the favors He has bestowed upon them by teaching them the rituals of *Hajj* and guiding them, whereas they were in error before this guidance i.e. the *Qur'an* had come to them.

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(199) Then pass on at a quick pace from where the people pass on and ask for Allah's forgiveness. Verily Allah is Oft Forgiving, Most Merciful."

Before Islam, the *Quraish* used to remain in the Sanctuary near *Muzdalifah* and did not proceed to *Arafat* with other people, because they thought of themselves as being the custodians of the *Ka'bah* and considered doing so to be below their dignity. But Allah (SWT) has commanded His Prophet (SAW) and his followers to stand at *Arafat* with other people and then proceed from there and to ask for His forgiveness.

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝

(200) Then when you have accomplished your rites, do celebrate the praises of Allah as you used to praise your forefathers, rather celebrate with more zeal and zest. Anyhow there are some among the people who say: "O our Lord! Grant us in this world", but in the Hereafter there would not be any share for them.

Before the advent of Islam, the pagans, after performing the rituals of *Hajj*, would gather in assemblies at *Mina* and praise their forefathers and remember their deeds. This act of theirs was obviously against the spirit of *Hajj*, the purpose of which is the praise and glorification of Allah (SWT) instead of the praise of one's own self or one's forefathers. Therefore, Allah (SWT) commanded them to give up such traditions and instead glorify Him and praise Him far more than they used to praise their forefathers. *Anyhow there are some among the people who say: "O our Lord! Grant us in this world", but in the Hereafter there would not be any share for them.*

Allah (SWT) criticizes the people who supplicate to Him merely for worldly goods and wealth, ignoring the affairs of the Hereafter, and asserts that those who supplicate only for worldly gains will not have any share in the eternal blessings of the Hereafter.

seven (days) when you return; these are ten in all." Those performing *Tamattu'*, who cannot afford to offer a sacrifice, should fast for three days during the *Hajj* and seven days when they get back home, making ten days in all. They should fast before the *'Day of Arafah'* (9th of *Dhul-Hijjah*) but if it is not possible, they can also fast during the *'Days of Tashriq'* (11th, 12th and 13th of *Dhul-Hijjah*). *"That is for one whose family is not present (near) the Sacred Mosque"* i.e. the residents of the area of *Haram (Makkah)* are not allowed to do *Tamattu'*. *"And fear Allah and know that Allah is Stern in retribution."* Allah (SWT) warns those who do not obey His commandments and commit what He has prohibited to be fearful of Him and keep in mind that He is stern in vengeance.

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

(197) Pilgrimage is in the well-known months. So whoever undertakes therein to perform Pilgrimage, then there must be no obscenity & sexual relation, no sin and no altercation during Pilgrimage. And whatever good you do, Allah knows it. And take provisions along, and the best of the provisions is to abstain (from sins). Therefore have fear of Me, O men of wisdom!

Shawwal, Dhul-Qad'ah and the first ten days of *Dhul-Hijjah* are the well-known months and the *Ihram* for *Hajj* can only be put on during these months and is not allowed before that. Allah (SWT) has legislated certain restrictions on a person in the state of *Ihram*. A person who assumes *Ihram* for *Hajj* or *Umrah* is not allowed to have sexual intercourse or conversation which may stimulate sexual desire, with his wife. He should also refrain from disobedience of Allah (SWT) by committing any of the prohibited deeds and from quarrelling with his Muslim brothers. *"And whatever good you do, Allah knows it"* i.e. If you do righteous deeds and obey Allah's (SWT) commandments and refrain from what He has prohibited, He will surely reward you on the *Day of Resurrection*, as He knows everything *"And take provisions along"* i.e. one should plan and carry sufficient provisions for the journey so as not to become a destitute and be a burden on others. *"And the best of the provisions is Taqwa (abstinence from sins). Therefore have fear of Me, O men of wisdom!*

If the men of understanding desire increase in provision, here and in the Hereafter, they should excel in humbleness, obedience and *Taqwa*.

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝

(198) There is no sin upon you that you seek some bounty from your Lord (during Hajj). So when you start returning from Ara'faat, do commemorate Allah near the Sacred Monument. And celebrate His praises as He has guided you whereas prior to it, you were definitely among the astray.

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

(196) And complete the Hajj and Umrah for Allah, but if you are restricted, (sacrifice) whatever is convenient of the animal offering. And do not shave your heads until the offering reaches its destination. Then whoever among you is ill or has an ailment in his scalp (must) in compensation either fast or feed the poor or offer sacrifice. And when you are in peaceful condition, then whoever continues the Umrah on to the Hajj, (must sacrifice) whatever is convenient of the animal offering, but whoever could not find, (must) fast for three days during the Hajj and seven (days) when you return; these are ten in all. That is for one whose family is not present (near) the Sacred Mosque. And fear Allah and know that Allah is Stern in retribution.

After describing fasting and *Jihad*, Allah (SWT) commands the Muslims to complete their *Hajj* and *Umrah* once they start their journey towards the Sacred Mosque. *"But if you are restricted"* i.e. if one is not able to complete the *Hajj* because of illness or encounter with an enemy, (as described by *Ath-Thawri*: *"Being restricted entails everything that harms a person"*), *"(sacrifice) whatever is convenient of the animal offering"* i.e. if one is prevented from completing the *Hajj* or *Umrah*, one should offer a sacrifice at the place where one is prevented, whether that is within the Sanctuary or outside. One should give the meat to the poor at that place, even if it is outside the Sanctuary. If one cannot find anyone around, it should be taken to the poor of the *Haram* or to the poor around any of the villages. This is the ruling of the majority of scholars including *Imam Sh'afi* (RA) and *Imam Malik* (RA). According to the *Hanafi* school of thought, the place of sacrifice refers to the bounds of the Holy Sanctuary and thus the animal should be sent for sacrifice within the boundaries of *Masjid Al-Haram*. The animals to be sacrificed include camels, cows, goats and sheeps. *"And do not shave your heads until the offering reaches its destination. Then whoever among you is ill or has an ailment in his scalp (must) in compensation either fast or feed the poor or offer sacrifice."* Those who have to shave their heads before the sacrifice reaches the *Haram* (Holy Sanctuary), because of an illness that necessitates shaving, should either fast for three days, feed the poor (six persons) or offer a sacrifice. *"And when you are in peaceful condition, then whoever continues the Umrah on to the Hajj, (must sacrifice) whatever is convenient of the animal offering."*

This is known as *Hajj Tamattu'* i.e. performing *Umrah* and *Hajj* on the same journey. In the pre-Islamic era, *Hajj Tamattu'* was considered a great sin and a separate journey was to be performed for each ritual, but Allah (SWT) declared this law as void and allowed those coming from abroad to perform *Hajj* and *Umrah* in the same journey. *"But whoever could not find, (must) fast for three days during the Hajj and*

(193) And keep fighting them till there does not remain any Fitnah and the Deen of Allah is established. But if they desist, then there should be no aggression except against the unjust.

Allah (SWT) has commanded the Muslims to fight against the disbelievers till there is no more oppression, *Shirk* (association of partners with Allah (SWT) and mischief prevalent on the face of the earth and Allah's *Deen* becomes dominant over all other religions, as Allah (SWT) says: *"It is He Who has sent His Messenger with the guidance and the religion of truth so that he may proclaim it over all religions, much as the Polytheists may dislike it."* [54] The root of evil is in polytheism. The actual purpose of fighting in the way of Allah (SWT) is to dislodge polytheism, persecution, corruption and mischief, as these things suppress freedom and do not allow people to choose between truth and falsehood and to willingly believe in Allah (SWT) and follow His commandments. Further Allah (SWT) commands the believers to cease fighting with them and not treat them unjustly if they stop committing shirk and making mischief.

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

(194) The Sacred month is for the sacred month and so for all the unlawful things, there is the law of equitable retribution. So whoever aggresses against you, then you aggress against him with similar aggression as he committed against you. And fear Allah and know that Allah is with the God-fearing.

The four sacred months are *Muharram, Rajab, Dhul-Qa'dah* and *Dhul-Hijjah*. Since the time of *Ibrahim* (AS), robbery, theft and every kind of violence and war was prohibited during these sacred months. But Allah (SWT) says that if the disbelievers attack you in these sacred months, do the same with them and fight against them. [55] *"And fear Allah"* i.e. although you are allowed to fight against the disbelievers in self defense during these sacred months, you should not transgress the limits set by Allah (SWT) and obey Him and fear Him alone, because *"Allah is with the God-fearing"* i.e. those who have *Taqwa* (piety) and are righteous.

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(195) And spend in the cause of Allah and do not put (yourselves) into destruction with your own hands. And do good, verily Allah loves the good-doers.

This *ayah* implies that if a person does not spend in the way of Allah (SWT), especially when fighting against His enemies, he puts himself into destruction in this world as well as in the Hereafter. A person's life and possessions are not his own; they belong to Allah (SWT). A person only holds them as a trust and does not have the right to use them as he desires. He must spend of his wealth and possessions and even readily give away his life in the way of Allah (SWT) to promote His cause. *"Verily Allah loves the good-doers."* *Muhsin* (derived from *Ihsaan*) is one who does good deeds in the best manner. Allah (SWT) says that He loves the *Muhsin* who spends in His cause to attain His love.

put an end to the activities of the disbelievers and fight those who wanted to destroy the true devotees of Allah (SWT) in order to stop the advancement and progress of Allah's religion. *"But do not transgress; verily Allah does not like the transgressors"* i.e. a Muslim should be fighting for Allah (SWT) alone and not for any other purpose and he should not transgress the limits set by Allah (SWT) and His Prophet in this connection. These prohibitions are indicated in a *Hadith* narrated by Buraydah (RA) that Allah's Messenger (SAW) said: *"Fight for the sake of Allah (SWT) and fight those who disbelieve in Allah (SWT). Fight, but do not steal (from the captured goods), commit treachery, mutilate (the dead), or kill a child, or those who reside in houses of worship."*[51] According to another *Hadith*, Allah's Messenger (SAW) forbade killing innocent women and children. [52]

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۚ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(191) And kill them wherever you find them and turn them out wherefrom they have expelled you. And Fitnah (to create disorder) is worse than killing. But do not fight them near the Sacred Mosque unless they (start) fighting you therein; so if they fight you, then kill them—such is the reward of the unbelievers.

Islam means peace and advocates harmony in the human society and teaches us to tolerate and accommodate other creeds and avoid killing and destruction. But when people resort to disbelief in Allah (SWT), associate partners with Him, create mischief and hinder common believing men from Allah's (SWT) path, it is a much greater evil and is more disastrous than killing. Therefore, it is lawful to use force against such disbelievers in order to restore peace and freedom for worship of Allah (SWT) and eliminate lawlessness, because Islam has no room for willful aggressors and cunning mischief-mongers. However, Allah (SWT) has commanded the Muslims not to fight the disbelievers in the area of the Sacred Mosque, except for self-defence. It is reported in the two *Sahihs* that the Prophet (SAW) said: *"Allah (SWT) has made this city a sanctuary since the day He created the heavens and the earth. So, it is a sanctuary by Allah's decree till the Day of Resurrection. Fighting in it was made legal for me only for an hour in the daytime. So, it (i.e. Makkah) is a sanctuary by Allah's decree, from now on until the Day of Resurrection. Its trees should not be cut, and its grass should not be uprooted. If anyone mentions the fighting in it that occurred by Allah's Messenger (SAW), then say that Allah (SWT) allowed His Messenger, but did not allow you."*[53]

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(192) But if they desist, surely Allah is Most-Forgiving, Most Merciful.

i.e. if the disbelievers stop fighting with the Muslims and repent and accept Islam, Allah (SWT) will forgive their sins.

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Al-Baqarah

(Ayaat 189-216)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(189) They ask you about the new moons. Say: "They are indicative of time periods for the people and the pilgrimage". And it is not righteousness that you come into your houses from their backs, but the righteousness is that (of him) who fears Allah. And come to the houses through their doors. And fear Allah so that you may be successful.

In the Arabs, different kinds of superstitions and customs were connected with the phases of the moon. They also used to perform some superstitious practices and rituals as they thought that the different phases of the moon affected their fortunes. Therefore, they questioned the Prophet (SAW) about them. Allah (SWT) informs that these phases of the moon are nothing but a calendar which helps regulate some acts of worship e.g. calculating the *iddah* (i.e. the period of time for a divorced woman) and fixing the time for *Hajj* (Pilgrimage). Another of the Arabs' superstitious customs was that after putting on the *Ihraam*, they used back entrances to get into their houses instead of entering through the regular doors and thought that they were doing a righteous deed. But Allah (SWT) negates them by asserting that their superstitious beliefs have nothing to do with virtue and that the real virtue is that they follow what Allah (SWT) has commanded.

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

(190) And fight in the way of Allah with those who fight against you but do not transgress; verily Allah does not like the transgressors.

This was the first *ayah* revealed in *Madinah* regarding fighting. When the enemies of Islam found that the light of its message was sweeping darkness from every corner, they vowed to annihilate it. So in the way of Allah (SWT), the Prophet (SAW) and his followers were instructed to